بعثت رسول ﷺ کا بنیادی مقصد

رسولِ رحمت ﷺ کی بعثت کا مقصد متعدد مقامات پر خود قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام محض کتاب پہنچا دینا نہیں ہے بلکہ وہ اس کتاب کو صحیح طور پر پڑھنے، اس کتاب کی تعلیمات کو سمجھانے، اس کتاب کی تشریح اور وضاحت کے ساتھ ساتھ خود حکمت سمجھانے اور اہل ایمان کو تزکیے کا طریقہ سکھانے پر مامور کیے گئے ہیں۔ وہ، نعوذ باللہ، محض ڈاکیا نہیں ہے کہ کتاب پہنچا کر اس کا کام ختم ہو گیا بلکہ وہ نہ صرف شارح بلکہ شارع ہے، چنانچہ سورۂ اعراف میں یہ بات قرآنِ کریم نے واضح کر دی کہ آپ ﷺ اہل ایمان پر سے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں، پاک اور طیب چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور خبائث و منکرات کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں تحلیل وتحریم کا اختیار نبی ﷺ سے وابستہ کیا گیا ہے۔ گویا رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد اس کی بالکلیہ اطاعت میں پنہاں ہے۔ اگر اس کی اس انداز میں اطاعت ہو گی تو سمجھا جائے گا کہ اسے مکمل نبی تسلیم لیا گیا ہے، بہ صورت دیگر زبان سے اقرار کے باوجود عمل سے اگر روگردانی ہو گی تو ایسے شخص نے اسے نبی تسلیم کیا اور نہ اس کی بعثت کے بنیادی مقصد (اطاعت) کو مانا۔

قرآن میں رشتہ داری کا مقام

اسلام نے رشتہ داری کو وہ بلند مقام دیا ہے جو پوری انسانی تاریخ میں کسی مذہب، کسی نظریے اور کسی تہذیب نے نہیں دیا۔اس نے رشتوں کا پاس ولحاظ رکھنے کی وصیت کی ہے۔قرآنِ کریم میں بہت سی آیات ہیں جو اسلام میں رشتہ داری کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔رشتہ داری کا احترام کرنے اوران کے حقوق کی ادائیگی پر اُبھارتی ہیں اورانھیں پامال کرنے اوران پر ظلم وزیادتی کرنے سے روکتی ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ﴾ [النساء: ۱] ’’اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔‘‘

قرآنِ کریم میں قطع رحمی کا تذکرہ فساد فی الارض کے ساتھ کیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا باہم گہرا تعلق ہے۔چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ o فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ o﴾ [محمد: ۲۲،۲۱]

’’مگر جب قطعی حکم دے دیا گیا اُس وقت وہ اللہ سے اپنے عہد میں سچے نکلتے تو انھی کے لیے اچھا تھا۔اب کیا تم لوگوں سے اِس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم اُلٹے منھ پھر گئے تو زمین میں پھر فساد برپا کروگے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹوگے؟‘‘

سورۂ رعد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ o﴾ [الرعد: ۲۵]

’’اور جو لوگ اللہ کے عہد کو باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اوراس چیز کو کاٹتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اوران کے لیے بُرا انجام ہے۔‘‘

قرآن میں کی کفار کی فساد انگیزوں کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک پہلو قطع رحمی بھی ہے، ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o﴾ [البقرة: ۲۷]

’’جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔‘‘

اس آیت کی تفسیر میں شیخ محمد علی الصابونی نے لکھا ہے:’’جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد رشتہ اور قرابت ہے،اور جس چیز کو اہل کفر وفساد کے اوصاف میں توڑنے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد رشتہ داری کے تعلقات ختم کرنا اور نبی اور مومنین سے الفت ومحبت کو ختم کرنا اوران سے تعلق توڑنا ہے۔‘‘(صفوة التفاسير: ۱/ ۳۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

15 شعبان المعظم 1433ھ جمعة المبارک 06 تا 12 جولائی 2012ء

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 27 جلد 64

جواہر پارے	بعثت رسول کا بنیادی مقصد		
کلمہ طیبہ	قرآنِ کریم میں رشتہ داری کا مقام		
اداریہ	پیچھے کی طرف (Reverse Gear)	(حافظ احمد شاکر)	2
درس قرآن	تفسیر سورۂ یٰس......(۳۰)	(مولانا ارشاد الحق اثری)	4
درس حدیث	توفیق الباری	(حافظ محمد اشرف سعید)	5
آثار حنیف بھوجیانی	جرعات......(۱۸)	(مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی)	7
تحقیق وتنقید	ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں......(۱)	(حافظ صلاح الدین یوسف)	11
درس وموعظت	اللہ تعالیٰ کی مدد بذریعہ صبر اور نماز	(عبد الواحد گوندل)	17
سیرت وسوانح	مداح صحابہ مولانا محمود احمد غضنفر	(محمد رمضان یوسف سلفی)	24
تبصرۂ کتب	مقامِ صحابہ	(محمد اسحاق بھٹی)	29
فہرست کتب	فہرست اردو کتب محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری		31
شعر وادب		(ام عبد منیب)	

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

پیچھے کی طرف

(Reverse Gear)

حافظ احمد شاکر

مسلم لیگ نے بہ حیثیت ایک سیاسی جماعت جب مسلمانوں کے لیے الگ خطۂ حکمرانی یعنی قیامِ پاکستان کا مطالبہ کیا تھا اس وقت اس مطالبے کی غرض وغایت کیا تھی؟ تاریخ اس کی شفاف وضاحت شاید ابھی تک نہیں کر سکی۔ ہاں یہ مطالبہ جب عوام کے علم میں آیا یا اس مطالبے کو جب سیاستدانوں نے عوام تک پہنچایا تو اس وقت مسلمانوں نے اپنی ہزار سالہ حکم رانی کے دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اپنے خوابیدہ جذبے حرکت میں یوں لائے کہ انھوں نے پاکستان کو ایک نظریاتی ریاست اور اسلام کا گہوارہ بن جانے کی خواہش کو نعرہ بنا لیا اور پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کے نعرے کو جذباتی مسلمانوں نے ایمانی جذبات کا حصہ بنا لیا۔ حالانکہ قیام پاکستان کے کچھ عرصے بعد سرکردہ مسلم لیگیوں نے جو اس مطالبے اور نعرے کا منبع سمجھے جاتے اور مسلم لیگ کے ایک اہم عہدیدار بھی رہے بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں اقتدار کی راہ داریوں میں ان کی آنیاں جانیاں بھی رہیں، نے صدق وصفائی سے اس کا اعتراف کر لیا تھا کہ ہمارا مقصد مسلمانوں کے لیے ایک رفاہی اور فلاحی ریاست تھی۔ یہ بات کوئی ایسی معیوب بھی نہیں تھی کہ رفاہ اور فلاح مسلمانوں کا بھی حق ہے جس کے لیے ایک دور کی مسلم قیادت نے بھرپور جدوجہد کی کہ وہ بالآخر کامیاب ہوگئی اور نقشہ عالم پر پاکستان وجود میں آ گیا۔

انما الاعمال بالنیات کے مطابق درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں جو سرگرمیاں سامنے آئیں ان میں اقتصادی ومعاشی تگ ودو ہی نمایاں رہی عالمی سیاست کے شہ دماغوں نے معاشی طور پر ہندوستان سے ہجرت کرنے والے پس ماندہ مسلمانوں کو جن آزمائشوں میں سے گزارا تھا اس کا لازمی نتیجہ معاشی مسابقت تھی پھر پاکستان میں مغربی تہذیب وثقافت کی یلغار کے ساتھ مغربی اشیائے تعیش کی بھرمار نے قومی طور پر ہماری سوچ وفکر کا دھارا ہی بدل دیا۔ قیامِ پاکستان کو مسلم لیگ کے لیڈروں کی کامیاب سیاست قرار دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن ترک خلافت کی شکست وریخت کے بعد صلیبی استبداد کا اصل ہدف تو ہند میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کو پارہ پارہ کرنا، مسلمانوں کے مابین افتراق وانتشار پیدا کر کے گروہ در گروہ تقسیم کرنا، کفر کے خلاف مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو سرد کرنا اور ...... لاہور میں خاکساروں کو طاقت سے کچل کر ......اپنی دھاک بٹھانا تھی۔ چنانچہ مغل بادشاہوں کی انسانی کمزوریوں کے روزن سے انھوں نے نقب لگائی اور مغل سلطنت زوال کا شکار ہوگئی۔

صلیبی منصوبہ سازوں کی دوررس نگاہیں اس بات سے یقیناً آگاہ تھیں کہ ان کو بالآخر ایک دن سرزمین ہند سے جانا ہوگا اس لیے وہ جانے کی مدت میں مختلف سیاسی حربوں سے توسیع لیتے رہے اور اس کے ساتھ وہ سرزمین ہند سے لوٹی ہوئی دولت کی داد ودہش سے اپنے لیے ایک وفادار نسل تیار کرتے رہے۔ اور قیامِ پاکستان کے بعد حسب پالیسی اس نے اسی نسل کو اقتدار کی راہداریوں تک پہنچایا اور اس ذلہ خوار نسل نے حق نمک ادا کرتے ہوئے اپنے آقاؤں کو وطن عزیز میں اس حد تک دخیل کر دیا کہ وطن عزیز کا رواں رواں اس کے قرضوں اور سود در سود ادائیگیوں میں اب تک جکڑا ہوا ہے۔ سودخوروں کے دائمی اصول کے مطابق مقروضوں سے اصل رقم لینے کی بجائے وطن عزیز کو مزید قرض اور سود کے گرداب میں اس بری طرح پھنسایا گیا جس سے نکلنے کے لیے اب شاید کوئی مسیحا ہی آئے تو آئے ہمارے موجودہ حکمرانوں یا معاشی منصوبہ سازوں کے بس کی تو اب یہ بات نہیں رہی۔

بات چلی تھی کہ قیامِ پاکستان کا مطالبہ کن وجوہات کی بنا پر ضروری ہوا تو وطن کی موجودہ اقتصادی صورت حال اور معاش دوڑ بھاگ اس چیز کی غمازی کر رہی ہے کہ پرانے مسلم لیگی قائدین کا وہی اعتراف برحق تھا جس کا اظہار مسلم لیگ کے بعض جذباتی اور مخلص ہمدردوں کو اچھا نہ لگا تھا۔

دوسری طرف غور کیا جائے تو وطن عزیز کے قیام کی ابتدا میں آئین اور نظام کی بات چلی تو لادین طبقے نے مسلمانوں کے فقہی یا مسلکی اختلافات کو یوں ہوّا بنا کر پیش کیا کہ اسلام کا نفاذ ممکن ہی نہیں۔ جس کا جواب تمام مسالک کے ۳۱ علماء نے اتفاق رائے سے ۲۲ نکات طے کر کے قانون ساز اسمبلی تک پہنچا دیے۔ وہ نکات ایسے جامع اور ممکن العمل تھے کہ حکومت اور اس کے کارندے لاجواب ہو گئے بلکہ شاید اب تک ان کا جواب نہیں آ سکا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک سیاسی فضا میں اسلام کا نام گونجتا رہا حتی کہ چوہدری محمد علی (سابق وزیر اعظم پاکستان) نے نظام اسلام نام کی ایک سیاسی پارٹی بھی بنائی، جماعت اسلامی اقامت دین کی تحریک چلاتی اور صالح قیادت تلاش کرتی رہی جو ابھی تک منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہو سکی۔ اس کے بعد اسلام، اور سوشلزم کا ایک ہنگامہ خیز دور بھی آیا لیکن وطن عزیز میں نہ اسلام آ سکا اور نہ ہی سوشلزم لیکن اس کی کوکھ سے اسلامی جمہوریت کی طرح اسلامی سوشلزم ضرور برآمد ہو گیا جس نے طبقاتی منافرت کو اس حد تک پھیلا دیا کہ حکمرانوں نے اسلام کی بجائے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ اس شدت سے بلند کیا اور یہ نعرہ سب نعروں، وعدوں اور دعوؤں کو بہا کر لے گیا لیکن حکمرانوں کی بدنیتی، معاشی منصوبہ سازوں کی نااہلی یا سازش اور سیاستدانوں کی خود غرضیوں سے وطن عزیز دولخت ہو گیا۔ عوامی دور حکومت کے تلخ ثمرات جب عوام کے سروں پر اولوں کی طرح برسنے لگے تو پھر نظام مصطفیٰ کا جذباتی نعرہ ایجاد کیا گیا حالانکہ یہ اسلامی نظام ہی کا ہم معنی تھا لیکن ہمارے جذباتی عوام نے اس نعرے کے نام پر بہت قربانیاں دیں لیکن نظام مصطفیٰ نہ سیاستدانوں کا مقصود تھا اور نہ ہی وہ آیا کہ مقصود اقتدار کی منتقلی تھی جو جنرل ضیاء الحق کی صورت میں سامنے آئی۔ جنرل ضیاء مرحوم نے پھر نئے سرے سے اسلام کے نظام و نفاذ کا ذکر یا نعرہ شروع کیا کچھ لوگ اس نعرے پر طولِ اقتدار کی خواہش کا الزام لگاتے تھے اور کچھ لوگ اس ناکامی کا سبب انسان کی بے بسی، عالمی طاغوتی سازشیں، کفر کی ریشہ دوانیاں اور بیوروکریسی کی پالیسیاں قرار دیتے تھے۔ ۸۰ء میں جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو جنرل ضیاء الحق اس آتش جنگ میں ایک اسلامی بلاک بنانے کی انہونی خواہش کے ساتھ بے دریغ کود پڑے۔ لیکن طاغوت کو روس کی شکست وریخت جب نظر آنے لگی تو عالمی سیاسی شطرنج کے مہرے پہلے وطن عزیز سے آمریت بھگا کر جمہوریت لے کر آ گئے پھر اس جمہوری حکومت نے جنیوا میں جو معاہدہ کیا وہ جنگ افغانستان کی پیٹھ میں ایسا گھاؤ ثابت ہوا کہ جس کے رستے ہوئے خون سے پوری مسلم امہ خون سے لت پت ہو گئی اسی دوران پھر عالمی طاغوت نے نیو ورلڈ آرڈر جاری کر کے ایک، دو، تین اور چار جمہوری حکومتوں کے ذریعے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اگرچہ اس دوران بھی ایک جمہوری حکومت کے سربراہ نے امریکہ کے روکنے کے باوجود جب ایٹمی دھماکہ کر دیا تو پھر عالمی صلیبی استبداد نے اس کو صلیبی جنگ قرار دیتے ہوئے، خالص صلیبی ذہنیت سے مسلمانوں کو نشانے پر لیا۔ ضیاء الحق کے ابتدائی سالوں کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ سیاست کے نقار خانے میں طوطی کی طرح گونجتا تو رہا لیکن پھر وہ جنگ افغانستان کے اسلامی جہاد میں دب گیا اور اس کے بعد پھر اسلام کا نام گھٹتا گیا اور اس کی جگہ، اسلام کا ہم معنی باور کراتے ہوئے، نظریۂ پاکستان کے ذکر کا چلن ہو گیا۔ حادثۂ بہاولپور کے بعد پھر جب جمہوریت نے دھاوا بولا تو پھر کبھی جمہوریوں کو عوام کا درد ستانے لگتا کبھی قرض اتارو ملک سنوارو جیسے نعروں سے عوام کو بہلاوے دیے جاتے رہے۔ اس موقع پر عوام میں سے ہر ایک نے اپنی بساط سے بڑھ کر قرض اتارنے میں تعاون کیا لیکن یہ بات کسی کو یاد نہ رہی کہ ملک، کاروبار اور خاندان تو خرچ کم کرنے سے سنورتے ہیں مال اکٹھا کرنے سے نہیں۔ تاہم ایٹمی دھماکے کے بعد طاغوت کو مطلوب و مقصود کفر ایک ایسا سگ بدست غلام بے دام مل گیا جس نے ایک ہی ٹیلی فون پر خود سپردگی کا ایسا دھبہ لگا دیا جس پر وطن عزیز کی تاریخ ہمیشہ شرمسار رہے گی۔ تو جناب اس خلائی انقلاب کے بعد اسلام قہقریٰ (Reverse Gear) کی نذر ہو چکا ہے۔ اب اسلام قصۂ پارینہ محسوس ہونے لگا ہے۔ اس طول کلامی کی غرض صرف یہ ہے کہ قیام پاکستان کا سبب اگر مسلمانوں کی رفاہ یعنی معاشی بھلائی کو تسلیم کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ وطن کی سیاسی و حکمرانی کی تاریخ میں معاش کی چھینا جھپٹی کے ہی مظاہر ہیں۔ باقی رہا اسلام اور اس کا نفاذ نہ جانے کون خوش قسمت اس سعادت سے بہرہ مند ہو گا اور کون خوش نصیب اس کو دیکھیں گے۔

درس قرآن

قسط نمبر ۳۰

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ اناج کے دانے تو ہر سال بوئے جاتے ہیں۔ اور سال بہ سال اس کا بڑھنا، پھلنا پھولنا دیکھتے ہو، ان کے علاوہ ایسے درختوں کے باغات ہم نے سجائے ہیں جو سالہا سال تک رہتے ہیں اور تم ان سے مختلف قسموں کے پھل کھاتے ہو۔ "جَنّٰتٍ" یعنی باغات۔ یہ "جَنَّةٌ" کی جمع ہے اور اس کا اصل مادہ "جَنّ" ہے جس کے معنی پوشیدہ کرنے اور چھپانے کے ہیں۔ باغات کے گنجان درخت زمین کو چھپا لیتے ہیں، اسی لیے انھیں "جَنّٰتٍ" کہا گیا ہے۔ دل کو "اَلْجِنَان" کہا جاتا ہے کہ وہ بھی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ "جُنَّةٌ" ڈھال کو کہتے ہیں کہ اس میں انسان چھپ جاتا ہے۔ جنات کو "جِنّ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اسی سے ماں کے پیٹ میں بچے کو "جنین" کہا گیا ہے، یہ جنین فعل بمعنی مفعول ہے، یعنی چھپا ہوا۔

پھلوں کے باغات میں سے یہاں صرف کھجور اور انگور کا ذکر ہے کیوں کہ یہ اپنی حلاوت اور قوت وتوانائی میں دیگر پھلوں کی نسبت ممتاز ہے۔ تر وتازہ اور خشک دونوں صورتوں میں ان کا استعمال ہوتا ہے اور سال بھر استعمال ہوتا رہتا ہے۔ پھلوں میں یہ دونوں سال بھر بطور غذا بھی مستعمل رہتے ہیں۔ "نـخيـل" کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں "عنب" یا "أعناب" انگور کا ذکر ہوا ہے، اس کے درخت کا نام "الـكـرم" استعمال نہیں ہوا کیوں کہ انگور کا درخت اس کے پھل سے حقیر اور فائدے میں کم تر ہے جب کہ کھجور کا درخت بھی کھجور کی مانند سود مند ہے۔ وہ اونچا سر بلند ہوتا ہے، قطار اندر قطار لگا ہوا خوب صورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کے تنے مکان کے لیے شہتیر بنتے ہیں۔ تنے کو کرید کر اس سے برتن بنتے ہیں۔ اس کے پتوں سے چٹائی، رسی اور پنکھے بنائے جاتے ہیں، اس کی گٹھلی بالخصوص عجوہ کی گٹھلی دل کی بیماریوں میں مستعمل ہے اور دانت صاف کرنے کے لیے منجن میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کا سفوف اسہال میں بھی مفید ہے۔ اور کھجور کے درخت کا تازہ رس سل اور دق کے مریضوں کو استعمال کرایا جاتا ہے۔ کھجور کے درخت کی اسی افادیت کی بنا پر اس کے پھل کا نہیں، درخت کا ذکر ہوا ہے جب کہ انگور کے درخت میں افادیت کم تر ہونے کی وجہ سے اس کے پھل کا ذکر ہوا ہے۔

"حَـبٌّ" یعنی غلے کا ذکر پہلے ہے کیوں کہ اس کی پیداوار اور افادیت خوراک کے اعتبار سے زیادہ ہے، پھر کھجور اور پھر انگور کا کہ یہ پھل بھی ہیں اور خوراک بھی بنتے ہیں۔ عرب کے ہاں ان کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور ان کے ہاں یہ مرغوب بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے؟" مجلس میں بیٹھے صحابہ کرام کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا مگر میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے (بڑوں کی موجودگی میں بولنے پر) شرم آئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتلائیں یہ کون سا درخت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کھجور کا درخت ہے۔"

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦١، ٦٢)

بعض روایات میں ہے کہ وہاں دس صحابہ تھے جن میں سے ایک میں تھا جو سب سے صغیر السن تھا۔ مجلس میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ بھی خاموش رہے تو مجھے بھی ناگوار گزرا کہ بات کروں۔

(باقی صفحہ نمبر ۱۰ پر)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: قمار الحمام

کبوتر پر جوا لگانا

۱۲۹۹ . إن أبا هريرة قال له رجل: إنا نتراهن بالحمامين فنكره أن نجعل بينهما محللا تخوف أن يذهب به المحلل؟ فقال أبو هريرة: ذلك من فعل الصبيان وتوشكون أن تتركوه .

(ضعيف الإسناد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا: ہم دو کبوتروں پر شرط لگا کر جوا کھیلتے ہیں، تیسرے آدمی کو جوئے میں شامل نہیں کرتے اس ڈر سے کہ وہ سب کچھ لے جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو بچوں کا کھیل ہے، تم اسے جلد ہی چھوڑ دو گے۔''

باب: الحداء للنساء

عورتوں کے لیے حدی خوانی کرنا

۱۳۰۰ . عن أنس أن البراء بن مالك كان يحدو بالرجال ، وكان أنجشة يحدو بالنساء ـ وكان حسن الصوت ـ فقال النبي ﷺ: ((يا أنجشة! رويدك سوقك بالقوارير .))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت براء بن مالک مَردوں کے لیے (اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے) حدی کرتے تھے۔ اسی طرح انجشہ عورتوں کے لیے (اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے) حدی خوانی کرتے تھے، اوران کی آواز بہت اچھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے انجشہ! اونٹوں کو چلانے میں نرمی اختیار کرو کیوں کہ ان پر آبگینے ہیں۔''

فائدہ: یہ حدیث مطولاً پہلے باب المزاح میں گزر چکی ہے۔

باب: الغناء

گانے کا بیان

۱۳۰۱ . عن ابن عباس في قوله عزوجل: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ قال: الغناء وأشباهه .

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''لوگوں میں وہ شخص ہے جو بے ہودہ باتوں کو خریدتا ہے۔'' کے متعلق فرماتے ہیں: اس سے گانا بجانا اور آلات ملاہی مراد ہیں۔'' یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

۱۳۰۲ . عن البراء بن عازب قال: قال رسول الله ﷺ: ((أفشوا السلام تسلموا ، والأشرة شر .)) قال أبو معاوية: الأشرة؛ العبث .

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سلام پھیلاؤ سلامت رہو گے اور "أشرہ" شر ہے۔'' ابومعاویہ نے کہا: أشرہ عبث اور بے ہودہ کاموں اور کھیلوں کو کہتے ہیں۔

۱۳۰۳ . عن فضالة بن عبيد وكان مجمعا من المجامع ، فبلغه أن أقواما يلعبون بالكوبة فقام غضبانا ينهى عنها أشد النهي ، ثم قال: ألا إن اللاعب بها ليأكل قمرها كآكل لحم

الخنزير ومتوضيء بالدم!. يعني: بالكوبة النرد.
''فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھیں پتا چلا کہ کچھ لوگ شطرنج کھیلتے ہیں، آپ بڑے غصے کے ساتھ انھیں روکنے کے لیے اُٹھے اور کہا: خبردار! اس کے ساتھ کھیلنے والا اور اس جوئے کی رقم کو کھانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص خنزیر کا گوشت کھائے اور اس کے خون سے وضو کرے۔''

فائدہ: ''کوبہ'' سے مراد ''نرد'' ہے جو شطرنج سے ملتا جلتا کھیل ہے، اسے ''نردشیر'' بھی کہتے ہیں۔ فارس کے ایک بادشاہ اردشیر بن بابک نے اس کھیل کو ایجاد کیا تھا۔

جملہ آلاتِ غنا کا ایک ہی حکم ہے، یعنی قطعاً حرام ہیں۔ اور جس دف کا جواز نکاح کے موقع پر ہے اس طرح کا دف اب دنیا میں کسی جگہ رائج نہیں ہے۔

باب: من لم يسلم على أصحاب النرد

شطرنج کھیلنے والوں سے سلام نہ لینا

١٣٠٤. عن الفضيل بن مسلم عن أبيه قال: كان علي رضي الله عنه إذا خرج من باب القصر فرأى أصحاب النرد، انطلق بهم فعقلهم من غدوة إلى الليل، فمنهم من يعقل إلى نصف النهار، قال: وكان الذي يعقل إلى الليل الذين يعاملون بالورق، وكان الذي يعقل إلى نصف النهار الذين يلهون بها. وكان يأمر أن لا يسلموا عليهم.

''فضیل بن مسلم سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قصر امارت سے باہر نکلے اور نرد (شطرنج) کھیلنے والوں کو دیکھا۔ آپ ان کے پاس گئے، ان کو پکڑ کر صبح سے رات تک قید کر دیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو آدھا دن قید میں رکھا۔ راوی کہتے ہیں: جن لوگوں کو رات تک قید میں رکھا وہ آپس میں چاندی کے ساتھ جوا کھیلتے تھے اور جن کو آدھا دن قید میں رکھا یہ وہ لوگ تھے جو بغیر رقم لگائے شطرنج کھیلتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ نرد (شطرنج) کھیلنے والوں کو سلام نہ کہا جائے۔''

فائدہ: اہل فسق کو سلام نہ کہنے پر یہ دلیل ہے کیوں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، نہ کہ خصوصی سبب کا۔''

باب: اثم من لعب النرد

شطرنج کھیلنے کا گناہ

١٣٠٥. عن أبي موسى الأشعري أن رسول الله ﷺ قال: ((من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله.))

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نرد سے کھیلا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔''

١٣٠٦. عن عبد الله بن مسعود قال: إياكم وهاتين الكعبتين الموسومتين اللتين تزجران زجرا، فإنهما من الميسر.

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو رہو تم ان دو نشان لگی ہوئی گوٹیوں سے جن کو پھینک کر جوا کھیلا جاتا ہے۔'' (یہ جوئے کی قسموں میں سے ہے۔)

١٣٠٧. عن أبي بريدة عن أبيه عن النبي ﷺ قال: ((من لعب بالنرد شير فكأنما صبغ يده في لحم خنزير ودمه.))

حضرت ابوبریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے نردشیر کے ساتھ کھیلا گویا اس نے اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت اور خون کے ساتھ رنگ لیا۔''

فائدہ: یہ حدیث صحاح میں بھی آئی ہے۔ اصل میں یہ کھیل مجوسِ فارس کا ایجاد کردہ ہے، پھر اس کا رواج سب بلادِ عرب وعجم میں ہو گیا تھا۔ نبی علیہ السلام نے نرد کھیلنے والے کے لیے یہ سخت وعید فرمائی ہے۔

جــرعــات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دین میں اسباب تحریف کی جو وضاحت فرمائی ہے مولانا نے اس اداریے میں ان کا اصولاً ذکر فرما کر متجددین کی ان غیر محمود مساعی کی نشان دہی فرمائی جو وہ جدید اور غیر دینی نظریات سے متاثر ہو کر کرتے رہتے ہیں، ان میں سے ایک اہم مسئلہ وسائل رزق سے مایوس ہو کر آبادی کو محدود کرنا ہے۔ متجددین کی ایک شرعی اجازت کو اُصول قرار دینے کی جرأت تحریف پر مولانا نے گرفت فرمائی ہے اور اس ضمن میں کئی اہم فقہی اور حدیثی نکات بھی مولانا کے قلم گوہر بار نے بیان کر دیے ہیں۔ اصلاً آبادی کی محدودیت کے پرچارکر انحصار صرف اسباب پر کرتے ہیں جب کہ اسلام مسبب، یعنی رازق پر انحصار کی تعلیم دیتا ہے کہ اسباب پر مخلوق کی گرفت نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

تفنن طبع کے لیے ملاحظہ فرمائیں کہ ایک دور میں ان کا شعار ہوتا تھا ''کم بچے خوش حال گھرانہ''، پھر ترمیم کر دی کہ بچے دو ہی اچھے، پھر جب قدرت نے ایک حکمران ہی سے یہ ''حد'' عبور کروا دی تو آج کل لوگو یہ بن گیا ہے: ''بچے کم ہی اچھے'' تاہم اداریہ ملاحظہ فرما کر علمی نکات کا حظ اٹھایئے۔ (احمد شاکر)

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن سے دین میں تحریف راہ پاتی اور اسلام کا حلیہ بگاڑنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک سبب یہ ہے جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

''بعض لوگ کسی دوسری ملت کے معتقد یا کسی خاص نظریے کے حامل ہوتے ہیں مگر جب وہ کسی وجہ سے اسلام میں داخل ہوتے یا اسلامی علوم (قرآن، حدیث، فقہ وتصوف اسلامی وغیرہ) کا مطالعہ کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنے موروثی عقائد ترک کریں یا کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی زندگی بدلیں، وہ (اپنے ''اجتہاد'' کے زور سے) مزعومہ عقائد ونظریات (بلکہ خیالات) کے لیے (قرآن وحدیث سے) ''دلائل'' مہیا کرتے ہیں اور اس طرح اسلام وغیر اسلامی عقائد اور رسوم وعوائد کو ایسا گڈمڈ کر دیتے ہیں کہ حق وباطل اور صحیح وغلط میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے، یعنی بہ ظاہر وہ ''تحقیق'' اسلامی نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ کچھ اور ہوتا ہے۔ یہ لوگ اسلام سے ''دلائل'' کشید کرتے وقت ہر کمزور سے کمزور سہارا لیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اپنے خیالات کو جھوٹی روایتوں سے مضبوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اپنی طرف سے موضوع حدیثیں بھی گھڑنے لگ جاتے ہیں۔''

"ومنها (أي من أسباب التحريف) خلط ملة بملة حتى لا تتميز واحدة من الأخرى وذلك أن يكون إنسان في دين من الأديان تعلق بقلبه علوم تلك الطبقة ثم يدخل في الملة الإسلامية فيبقى ميل في قلبه إلى ما تعلق به من قبل فيطلب لأجله وجها في هذه الملة

ولو ضعيفا أو موضوعا، وربما جوز الوضع ورواية الموضوع لذالك وهو (أي هو الذي أشار إليه صلى الله عليه وسلم في) قوله: ((لم يزل أمر بني إسرائيل معتدلا حتى نشأ فيهم المولودون و أبناء سبايا الأمم فقالوا: بالرأي فضلوا وأضلوا. [1] (حجة الله: ١/ ١٢٢)

شاہ صاحب کے اس تجزیے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہمارے ہاں کے منکرینِ حدیث اور تجدد پسندوں کی مساعی، تحریر وتقریر کا پس منظر سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی۔

کیا کیا راستے یہ حضرات اسلام میں ''ترمیم'' کرنے کے لیے اختیار فرما رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان ''تحقیق کنندگان'' کا اپنا کچھ نہیں، عام طور پر ان کے خیالات مسیحی مفکروں سے مستعار اور یورپ کے سیاست بازوں کا پس خوردہ ہوتے ہیں، ان کا کام تو بس مسلم عوام میں ان کی تبلیغ واشاعت اور ان کے لیے قرآن وحدیث کو (غلط صحیح) استعمال کرنا ہوتا ہے۔

لیکن ہمارے بہت سے بھائیوں کو اس حقیقت واقعیہ کا پتا نہیں ہوتا اور وہ چست فقروں اور عبارتی سحر طرازیوں کا شکار ہو کر یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ شاید یہ کوئی بڑی نکتہ آفرینی اور درد ملت کا شاہکار پیش کیا گیا ہے۔

اس عجوبہ گری کی ایک تازہ مثال ملاحظہ ہو۔ برتھ کنٹرول مغربی سیاست کا مسئلہ ہے مگر ''ثقافت اسلامیہ'' کا جو ادارہ حدیث پاک کے خلاف آئے دن زہر اگلتا اور اس کے غیر محفوظ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا رہتا ہے اور جس نے انکار حدیث کی تبلیغ میں ایک مستقل کتاب ''مقام سنت'' نامی شائع کی ہے، وہ ادارہ ان ہی ''غیر محفوظ'' حدیثوں کی بنا پر برتھ کنٹرول کو جسے شہوانی اغراض کے لیے لذیت پسند طبقہ یہاں درآمد کر رہا ہے، اسلامی مسئلہ بنانے پر تُلا ہوا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اس عیاشانہ وبا کو فقہ اسلامی کے ''مسئلہ عزل'' سے بھلا کیا تعلق ہوسکتا ہے مگر داد دیجیے اس ذہانت کی کہ جا بجا ''الحادی'' پیوند لگا کر اِس مہم کو سر کر لیا گیا اور دونوں کی کڑیاں باہم ملا کر دکھا دی گئیں۔

صحیح حدیثوں سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جن دنوں بچہ اپنی والدہ کا دودھ پی رہا ہو ان ایام میں مدینہ منورہ کے لوگ ''جنسی ملاپ'' سے احتراز کرتے تھے، اس خیال سے کہ ایسی حالت میں مادۂ حیات رحم میں جانے سے دودھ میں بچے کے لیے مضر صحت اجزا پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے خصوصاً اس صورت میں کہ حمل قرار پا جائے۔ تاہم اگر ''ملاپ'' ناگزیر ہوتا تو ''عزل'' سے کام لیتے، یعنی ایسی صورت پیدا کر لیتے کہ مادۂ حیات رحم میں نہ پہنچنے پائے۔

اسلام نے اس سادہ سی فطری صورت کے لیے کوئی سخت امتناعی حکم صادر نہیں فرمایا۔ مگر ہمارے یہ ''ثقافتی'' حضرات پاکستان کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور معاشی ناہمواری کا غیر فطری علاج ''برتھ کنٹرول'' تجویز کر رہے ہیں اور صریح قرآنی آیت ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ﴾ [بني إسرائيل: ٣١] کو نظر انداز کر کے ان غیر متعلقہ احادیث کا سہارا سرکاری منصوبہ بندی کو دے رہے ہیں اور اس کے لیے ''تحقیق ودیانت'' کے عجیب عجیب نمونے پیش کر رہے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے ''عزل'' کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو جواب میں ارشاد ہوا: ''ایسا کیوں کرتے ہو؟'' اس نے عرض کیا: ''أشفق على ولدها'' ''مجھے اس کے بچے کا ڈر ہے۔'' جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ ''عزل'' نہ کرنے کی صورت میں دودھ میں خرابی پیدا ہو کر بچے کے لیے ضرر کا خطرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''اگر اس طرح دودھ میں خرابی پیدا ہوسکتی ہے

[1] یہ حدیث مجمع الزوائد (۱/۱۸۰) میں مرفوعاً ابن عمر سے اور جامع بیان العلم (۲/۱۳۸) میں حضرت عروہ تابعی سے (ان کا قول) ہے۔

تو ایرانیوں اور رومیوں کے لیے بھی یہ ''جنسی ملاپ'' مضر ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۴۶۶/۱) (لہٰذا تم عزل نہ کیا کرو۔)

فن حدیث کے ماہرین نے ''أشفق علی ولدھا'' کے معنی اسی قسم کے کیے ہیں، چنانچہ دسویں صدی ہجری کے مولانا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أي أخاف ...... على ولدها الذي ترضعه لما أن الجماع يضره وقيل أي أخاف إن لم أعزل عنها لحملت وحينئذ يضر الولد الأرضاع في الحمل . انتهى" (مرقاة شرح مشكاة: ٣/ ٢٤١)

اس حدیث پاک میں معاشی ناہمواری کا اشارہ تک نہیں ہے مگر اس کو مطلب کے لیے ہموار کرنے کے لیے ادارۂ ثقافت کے دانش وروں نے سب ڈکشنریوں اور اپنی لغت دانی کے دعاوی کو طاق پر رکھ کر پہلے تو اس فقرے کا یہ معنی کیا: ''اس کی اولاد کا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔'' پھر اس سے مندرجہ تحت نتیجے کا پیوند لگا کر ''برتھ کنٹرول'' کے شرعی ثبوت پر مہر ثبت کر دی:

''اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاشی تنگی میں مزید اضافہ ہونے کے اندیشے سے ضبط ولادت پر عمل کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔'' (ثقافت، ص:۱۲، اپریل ۵۷ء)

دیکھا آپ نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی گئی حالانکہ اس حدیث کے الفاظ سے جواز کی بجائے عزل کی ممانعت مترشح ہوتی ہے، یعنی آنحضرت ﷺ نے سائل سے فرمایا: جس قسم کے ضرر کا تمھیں خوف ہے اس کا پایا جانا بجائے خود مشکوک ہے تو پھر عزل سے فائدہ؟ اور یوں حکیمانہ طریقے سے سائل کو عزل سے منع فرما دیا۔ اس طرح کے اشارات دوسری احادیث میں بھی آئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ درمیان میں ''معاشی تنگی کا اندیشہ'' کہاں سے ٹپک پڑا۔

اس غلط ترجمے میں خلیفہ عبدالحکیم صاحب بیچارے شاید یوں مبتلا ہوئے کہ ان ہی جیسے کسی ''دلدادۂ ثقافت'' یہی المصری صاحب نے اس حدیث سے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا:

''اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اولاد سے بچنے کے لیے ایسا کرتا تھا اور حضور ﷺ نے اس میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا۔''

(ثقافت، ص:۵۱، مئی ۱۹۵۷ء)

اور خود ان صاحب نے نیل الاوطار سے یہ عبارت پیش کر کے اپنی ''فقاہت'' کا یوں نمونہ دکھایا:

"ومن الأمور التي تحمل على العزل الفرار من كثرة العيال ." (ثقافت حوالہ بالا)

مگر افسوس اس مصری صاحب نے بھی نیل الاوطار کے اس مقام کو یا تو سمجھا نہیں یا دیانت سے کام نہ لیتے ہوئے پوری عبارت نقل نہ کی کیوں کہ اس میں ان کے پیش کردہ نتیجے کے بجائے ''عزل'' کی ممانعت کا پہلو نکلتا ہے، تا بہ ضبط تولید چہ رسد!

پوری عبارت یوں ہے:

"قوله: أشفق على ولدها ." هذا أحد الأمور التي تحمل على العزل ...... ومنها الفرار عن كثرة العيال ...... فيها خشية علوقة الزوجة الأمة ...... وكل ذلك لا يغني شيئا لاحتمال أن يقع الحمل بغير الاختيار ." (٦/ ١٦٩)

اصحابِ علم غور کر سکتے ہیں کہ کیا حدیث سے وہ کچھ ثابت ہو سکتا ہے جسے مصری صاحب اور ان کے مقلد خلیفہ صاحب ناواقفوں کو باور کرانا چاہتے ہیں۔ وذلك مبلغهم من العلم .

ایک دوسرے ثقافتی مضمون نگار نے اس مہتم بالشان درآمد شدہ مسئلے کے لیے متمسکات کے اور بھی انبار لگائے ہیں، ان کا استدلالی اندازہ لگانے کے لیے بھی شاید یہی نمونہ کافی ہوگا ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

اصل مشکل ایسے حضرات کی یہ ہوتی ہے کہ کسی موضوع پر جب کسی مجبوری کی وجہ سے ''مواد'' مہیا کر کے دینا ہوتا ہے تو ہر طریقہ اختیار کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ قرآن کے معانی بدل

کر ہو یا لغت عربی میں اضافہ کر کے، ضعیف ومردود بلکہ موضوع روایات کام میں لائی جاسکیں یا صحیح حدیثوں کے انکار سے، کسی شخصیت کا سہارا لینا پڑے یا صحابہ کرام تک کو مسترد کرنے کی نوبت آئے، بنیادی اقدار کی گہرائیوں میں ڈوب کر یا ارتقا کے زینے پر چڑھ کر۔ غرض کسی ضابطے کی پابندی قبول کیے بغیر ہر صورت اپنا مدعا حاصل کرنا ہوتا ہے۔

یہاں تک لکھا جا چکا تھا کہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ اشتراکی چین نے کسی بزرجمہر فلسفی کے کہنے پر اپنی معاشی ناہمواری کا یہی علاج تجویز کیا تھا مگر اب حکومت چین نے اس پالیسی کو ترک کردیا ہے۔ اور اس کے راہنماؤں نے کہا ہے کہ اگر ہم سارے وسائل کو بروئے کار لائیں تو مزید ساٹھ کروڑ کے پیٹ بھر سکتے ہیں، یعنی ع

میں ہوا کافر تو کافر مسلماں ہوگیا!

اس خبر پر ہفت روزہ معاصر ایشیا لاہور تبصرہ کرتا ہوا لکھتا ہے:

''چینی راہنماؤں کی یہ بات اپنے اندر وزن بھی رکھتی ہے اور حقیقت بھی کہ اگر وہ اپنے سارے وسائل کو کام میں لائیں تو مزید ساٹھ کروڑ پیٹ بھر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اس نے اس کے رزق کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے۔ پانی اور ہوا کی طرح پیٹ بھرنے کے ذرائع اور وسائل اتنے بے پایاں ہیں کہ اگر ان کو پورے طور پر کام میں لایا جائے تو انسانی آبادی چاہے کتنی ہی بڑھتی چلی جائے اس کا پیٹ کسی اندیشے کے بغیر بھرا جاسکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رزق کی کمی اور افلاس کے خوف سے نسل کشی کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾

[بني إسرائيل: ٣١]

''اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل بڑی خطا ہے۔''

اشتراکی چین کے مقاصد برتھ کنٹرول کے ترک کرنے سے جو کچھ بھی ہوں، اس نے جو بات کہی ہے وہ ہم مسلمانوں کے کہنے کی تھی، پھر اس نے تو یہ بات خالص مادی نقطۂ نظر کے تحت کہی ہے، ہمارے تو ایمان واعتقاد کا تقاضا ہے کہ اللہ کی رزاقی پر اعتماد رکھیں۔''

(بقیہ: تفسیر سورۂ یٰس)

مجلس برخواست ہوئی تو میں نے والد گرامی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دل کی بات کہہ دی۔ انھوں نے فرمایا: اگر تم یہ بات کہہ دیتے تو مجھے سرخ اونٹ سے زیادہ یہ جواب محبوب ہوتا۔

(فتح الباري: ١/ ١٦٤)

اس حدیث سے بھی کھجور کے درخت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

﴿وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ﴾ اور اس زمین میں چشمے جاری کردیے۔ پہاڑوں کی بلندی پر چشموں کا ظہور، بعض پہاڑوں پر ان کا وجود اور بعض پر اس کا کوئی نشان نہ ہونا بجائے خود اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ ہے۔ چشموں کا پانی دریاؤں اور نہروں کے ذریعے کھیتوں تک پہنچتا ہے اور وہ سرسبز وشاداب ہوتی ہیں۔

''فَجَرَ'' کے معنی پھاڑنا اور شق کرنا ہے۔ گویا پتھروں کو پھاڑ کر ان میں چشمے جاری کردیے۔ ''عُیُوْنٌ'' ''عَیْنٌ'' کی جمع ہے جس کا معنی آنکھ ہے۔ پانی کے چشمے کو ''عَیْنٌ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے پانی ابلتا ہے جس طرح آنکھ سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ جس طرح ''عَیْنٌ'' ہڈیوں کے درمیان ہے اسی طرح ''عُیُوْنٌ'' پتھروں کے درمیان ہوتے ہیں۔

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ①

ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

یہ روایت جسے متواتر تک کہا گیا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم چار صحابہ سے مروی ہے۔ اس روایت کی اسنادی تحقیق اور حدیث کی کن کن کتابوں میں مذکورہ اصحاب کی روایات ہیں، اس کی پوری تفصیل شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے إرواء الغليل (٦/ ٢٣٥-٢٤٣) میں درج کی ہے اور ان کی روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، وإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي لها.)) (أبوداود، ترمذي، ابن ماجه، مسند أحمد وغيرهم بحوالہ إرواء الغليل: ٦/ ٢٤٣)

''جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے۔ اگر ان کا آپس میں ملاپ ہوگیا ہے تو اس کی وجہ سے حق مہر اس عورت کو دیا جائے گا (اور ان میں فی الفور علیحدگی کرا دی جائے گی۔) اگر (اولیاء کا) اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطانِ وقت ہر اُس عورت کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

یہ روایت سنداً صحیح اور مسئلہ زیر بحث میں واضح اور فیصلہ کن ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها.)) (سنن ابن ماجه)

''عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔''

اس حدیث میں ولایت کے لیے مرد کو ضروری قرار دیا گیا ہے، یعنی باپ کی بجائے ماں ولی نہیں بن سکتی، نہ لڑکی از خود گھر سے فرار ہو کر اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ باپ نہ ہو تو اُس عورت کا دادا، بھائی، چچا وغیرہ ولی بنے گا، کوئی بھی نہیں ہوگا تو حاکم وقت یا قاضی اس کا ولی ہوگا۔ اولیاء میں اختلاف اور جھگڑے کی صورت میں بھی وقت کا سلطان اور قاضی حق ولایت ادا کرے گا۔

ابن ماجہ کی اس روایت میں آخری الفاظ ہیں:

((فإن الزانية هي التي تزوج نفسها.))

''زانیہ ہی اپنا نکاح خود کرواتی ہے۔''

لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ مرفوعاً یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں، تاہم موقوفاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جس کے الفاظ ہیں:

"كنا نعد التي تنكح نفسها هي الزانية."

(إرواء الغليل: ٦/ ٢٤٩)

''ہم اس عورت کو بدکار سمجھتے تھے جو اپنا نکاح خود کرتی تھی۔''

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

''زمانۂ جاہلیت میں نکاح کی چار قسمیں تھیں: ایک قسم وہ ہے جو لوگوں میں، یعنی عہد رسالت میں، رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اس کی کسی عزیزہ یا بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجتا ہے، وہ اسے قبول کرکے اس کے لیے حق مہر کا تعین کردیتا اور نکاح کردیتا ہے۔ (اس کے بعد زمانۂ جاہلیت کے نکاح کی تین قسمیں اور بیان کیں اور آخر میں فرمایا:) جب محمد ﷺ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو ختم کردیا اور صرف آج کل کے رائج نکاح کو باقی رکھا (جو ولی اپنی رضا مندی سے کرتا ہے۔)''

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥١٣٠)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے صرف اس نکاح کو جائز رکھا ہے جو ولی کی وساطت سے کیا گیا ہو، باقی تمام نکاح باطل کردیے۔

اس سے واضح ہے کہ جاہلیت جدیدہ، یعنی عصرِ حاضر کے روزافزوں لومیرج، سیکرٹ میرج اور کورٹ میرج سب باطل ہیں، چاہے عدالتیں ان کو جائز قرار دیتی رہیں یا فقہی جمود میں مبتلا علماء ان کا جواز مہیا کرتے رہیں۔ لیکن قرآن وحدیث کی رُو سے ایسے نکاح یکسر ناجائز اور باطل ہیں۔

ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) سے مشاورت کرنے کا مطلب:

ثیبہ (بیوہ) سے مراد وہ عورت ہوتی ہے جس کا خاوند فوت ہوجائے، یعنی بے خاوند عورت۔ اسی میں مطلقہ عورت بھی آجاتی ہے کیوں کہ وہ بھی بے خاوند ہوجاتی ہے۔ ان کی بابت احادیث میں آتا ہے کہ عدت گزرنے کے بعد ان کی دوبارہ شادی کے لیے ان سے مشاورت ضرور کی جائے۔ جیسے حدیث کے الفاظ ہیں:

((لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن.)) قالوا: يا رسول الله! وكيف إذنها؟ قال: ((أن تسكت.))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥١٣٦)

''بیوہ کا نکاح اس سے مشاورت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔'' صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ! اس کی طرف سے اجازت کس طرح ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ وہ خاموش رہے۔''

اس حدیث میں ''بِکر'' (کنواری) کے مقابلے میں ''أَیّم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ''أَیِّم'' عربی زبان میں ہر اُس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو اور ہر اُس مرد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کی بیوی نہ ہو، اس لیے بعض دفعہ بیوہ کے لیے بھی یہ لفظ بول لیا جاتا ہے کیوں کہ وہ بھی بے خاوند رہ جاتی ہے۔

اس حدیث میں بھی ''أَیّم'' کا لفظ بیوہ (ثیبہ) کے لیے استعمال ہوا ہے اور مطلقہ بھی اس میں شامل ہے:

"ظاهر هذا الحديث أن الأيم هي الثيب التي فارقت زوجها بموت أو طلاق لمقابلتها بالبكر." (فتح الباري: ٩/ ٢٤١)

اسی لیے اس حدیث پر امام بخاری نے بایں الفاظ باب باندھا ہے:

"باب: لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما."

اور صحیح مسلم کے باب کے الفاظ اس حدیث پر یہ ہیں:

"باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت."

اس حدیث سے بعض حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ ثیبہ کے لیے ولی کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث کے الفاظ بھی ان کے مدار استدلال ہیں:

((الأيم أحق بنفسها من وليها ...... الثيب أحق بنفسها من وليها.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٤٢١)

''بیوہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔''

لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ قرآنِ کریم کی نص ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ﴾ [البقرة: ۲۳۲] سے واضح ہے کہ مطلقہ (اور ثیبہ) کے لیے بھی ولی کی اجازت ضروری ہے اور صاحب واقعہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی شانِ نزول کی روایت بھی اسی کی مؤید ہے۔ اگر ولی کی اجازت ضروری نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مذکورہ آیت کی بجائے یہ حکم نازل فرماتا کہ ولیوں کو نکاح سے روکنے کا اختیار نہیں ہے۔ اور عورتوں کو از خود نکاح کرنے کا اختیار عطا فرما دیتا۔

پھر مذکورہ احادیث کا مطلب کیا ہے؟ ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ثیبہ (اور مطلقہ) اور باکرہ (کنواری) میں ایک فرق ہے کہ ثیبہ اور مطلقہ چونکہ شوہر دیدہ ہیں جس کی وجہ سے باکرہ کے مقابلے میں ان کے حجاب وحیا میں بھی کمی آ گئی ہوتی ہے اور وہ بول کر بھی اپنی پسند اور رائے کا اظہار کر سکتی ہیں جب کہ باکرہ کا تعلق کسی مرد سے قائم نہیں ہوا ہوتا، اِس لیے اس میں شرم وحیا کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے منہ سے بول کر اس کے لیے اپنی رائے اور پسند کا اظہار مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کی خاموشی ہی کو اس کی اجازت کے ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں شوہر دیدہ عورت (بیوہ اور مطلقہ) کا تعلق ایک دوسرے خاندان سے ہو چکا ہوتا ہے اور دوسرے خاندان، یعنی شوہر کے قرابت داروں کے پاس آنا جانا بھی اس کی زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے، اس لیے باکرہ کے مقابلے میں وہ آسانی سے شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد کسی مرد کا انتخاب کر سکتی ہے اور اپنے ولی کو اس کی بابت ضروری تفصیلات سے آگاہ کر سکتی ہے۔

اسی فرق کی وجہ سے حدیث میں ثیبہ کے لیے مشاورت کا اور باکرہ کے لیے اذن (اجازت) کا لفظ آیا ہے اور مشاورت کا مفہوم شارحین حدیث نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ ثیبہ (اور مطلقہ) منہ سے بول کر اپنی رائے کا اظہار کرے جب کہ کنواری کے لیے سکوت (خاموشی) ہی کافی ہے۔ اور مشاورت اور اذن کا طلب کرنا اس بات کا متقاضی ہے کہ عورت کے علاوہ کوئی اور شخص ہو جو مشاورت اور اذن کا اہتمام کرے اور یہ شخص ولی ہی ہے۔ اس سے بھی ولی کی شرط ہی کا اثبات ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں دوسری حدیث میں ثیبہ کے لیے "أحق" (زیادہ حق دار) کا لفظ آیا ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ولی سے اس کی ولایت کا حق ختم نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو برقرار رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ولی کو اگرچہ باکرہ (کنواری) کے معاملے میں بھی جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن شوہر دیدہ کے لیے تو بطور خاص جبر کی اجازت نہیں ہے۔ ولی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی پسند اور رائے پر سنجیدگی سے غور کرے اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو تو وہاں اس کی دوبارہ شادی کا اہتمام کر دے۔ نہ دوبارہ شادی میں رکاوٹ بنے اور نہ اس کی پسند کے خلاف، کسی معقول عذرِ شرعی کے بغیر، دوسری جگہ شادی پر اصرار کرے۔ اسی لیے بعض علماء نے "أحق" کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ ولی اور ثیبہ کے اختلاف کی صورت میں ولی کی وجہ سے ثیبہ پر جبر نہیں کیا جائے گا بلکہ ولی کو بالجبر آمادہ کیا جائے گا، پھر بھی وہ نہ مانے تو وقت کا قاضی فیصلہ کرے گا۔ اگر شرعی لحاظ سے عورت کا موقف صحیح ہوگا تو وہ ولی بن کر اس کا نکاح کرا دے گا۔ (منة المنعم شرح صحیح مسلم از مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری: ۲/۲۸۴)

اور بعض شارحین نے "أحق" کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس کی رضا مندی زیادہ ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ زبان سے بول کر اجازت نہ دے، اس کا نکاح نہ کیا جائے۔

(شرح نووي، تحت حديث: ۱۴۱۹)

حافظ ابن حجر بھی حدیث استئمار کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وليس فيه دلالة على عدم اشتراط الولي في حقها بل فيه إشعار باشتراطه."

(فتح الباري: ۹/ ۲۴۱)

بہر حال ان احادیث سے ولی کی ولایت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان سے بھی اس کا اثبات ہی ہوتا ہے کیوں کہ پسند وناپسند کا معاملہ تو ابتدائی مرحلہ ہی ہے، بعد کے سارے مراحل تو ولی ہی نے سرانجام دینے ہیں، اسی لیے امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومعنى قوله ((أحق بنفسها)) أراد في اختيار الزوج لا في العقد، فإن مباشرة العقد عليها إلى وليها." (شرح السنة: ۹/ ۳۳)

البتہ ان احادیث سے عورت کی رضا مندی کی اہمیت ضرور واضح ہوتی ہے جس کا اہتمام باکرہ کے معاملے میں بھی ضروری ہے، لیکن ثیبہ کے لیے یہ باکرہ سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ناجائز جبر کی صورت میں ''ولیِ اَبعد'' یا عدالت حقِ ولایت ادا کرے گی:

جیسا کہ ابھی گزرا کہ بیوہ اور ولی کے باہمی اختلاف کی صورت میں قاضی کو یہ اختیار ہے کہ وہ دونوں کا موقف سننے کے بعد شرعی مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کرے اور ولی نہ مانے تو خود حق والایت ادا کرے۔

یہ مسئلہ صرف ثیبہ (بیوہ اور مطلقہ) ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ کنواری بچی کے لیے بھی اس کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی یہی جامعیت حسن اور اعتدال ہے کہ اس نے اس کی بابت بھی وضاحت کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ماں باپ سے زیادہ اولاد کا کوئی خیر خواہ نہیں ہے اور یہ بات بھی شبہے سے بالا ہے کہ شادی کے موقع پر وہ اولاد کے لیے بہتر سے بہتر رشتہ تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اولاد کے ساتھ محبت اور شفقت کا یہ داعیہ اور جذبہ فطری ہے جو ماں باپ کے دلوں میں ودیعت کیا گیا ہے جس کا اظہار وہ زندگی بھر کرتے ہیں۔ اور شادی کے موقع پر بالخصوص کرتے ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ زندگی کا ایک نہایت اہم موڑ ہے، اس میں اگر ان سے کوتاہی ہوگئی تو اس کا خمیازہ اولاد ہی نہیں بھگتے گی بلکہ خود ماں باپ کی زندگی بھی اجیرن ہوجائے گی۔ اولاد کو، بالخصوص بچیوں کو موزوں اور مناسب رشتہ مل جائے اور وہ خوش وخرم اور پرسکون ازدواجی زندگی گزار رہے ہوں تو اس سے بڑھ کر والدین کے لیے خوشی کی اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ اور اس کے برعکس صورت میں اولاد ہی کی زندگی تلخ نہیں ہوتی بلکہ ماں باپ کے لیے بھی یہ صدمہ نہایت روح فرسا ہوتا ہے اور بچوں اور بچیوں کا دکھ ان کی زندگی میں بھی زہر گھولے رکھتا ہے۔ أعاذنا الله منه

یہ تو ایک عمومی صورت حال ہے لیکن بعض دفعہ اس فطری داعیے میں کمی کا بھی امکان ہے جس کو شریعت اسلامیہ نے نظر انداز نہیں کیا۔ اور وہ یہ کہ ہوسکتا ہے والدین کسی وجہ سے بچی کی خواہش اور جذبات کے مقابلے میں دوسرے عوامل واسباب کو ترجیح دینا پسند کریں اور یوں نوجوان بچی کا مستقبل تاریک ہوجائے۔ ایسا اگرچہ شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، تاہم اس کے وقوع وظہور سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے اسلام نے اس کے سد باب کے لیے بھی نہایت واضح ہدایت دے دی ہے اور وہ یہ کہ اولیاء شادی کرتے وقت بچی کی رضامندی بھی ضرور حاصل کریں۔ اگر ایک رشتہ بچی کو پسند نہیں ہے تو اس کے لیے دوسرا، تیسرا رشتہ تلاش کریں تا آنکہ وہ راضی ہوجائے یا اس کو قائل کرکے راضی کرلیا جائے۔ والدین کو ایسی جگہ شادی کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے جہاں بچی شادی کرنا پسند نہیں کرتی۔ انھیں جبر کے ذریعے سے شادی کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے حتی کہ اگر والدین بچی کی رضامندی حاصل کیے بغیر جبر واِکراہ کے ذریعے سے اس کی شادی کردیں گے تو شریعت نے نوجوان لڑکی کو ایسا نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے، وہ عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے ایسا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

ایسا زبردستی کا نکاح کنواری کا ہو یا شوہر دیدہ (بیوہ اور مطلقہ) کا، نبی ﷺ نے نہ صرف اس کو ناپسند فرمایا بلکہ کیے ہوئے نکاح ہی کو ردّ فرما دیا، یعنی اس نکاح کو نکاح ہی تسلیم نہیں کیا اور اسے دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ اور بعض دفعہ از خود نکاح ردّ کرنے

کے بجائے لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار دے دیا۔

احادیث میں دونوں قسم کے واقعات بیان ہوئے ہیں، جیسے صحیح بخاری کی روایت (رقم الحدیث: ۵۱۳۸) میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ وہ ثیبہ تھیں، ان کے والد نے ان کا نکاح ایسی جگہ کر دیا جہاں ان کو پسند نہیں تھا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے ان کا نکاح ردّ فرما دیا۔

امام بخاری نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں:

"باب إذا زوج الرجل ابنته وهي كارهة فنكاحه مردود."

''اس بات کا بیان کہ جب آدمی اپنی بیٹی کا نکاح ایسی جگہ کر دے جہاں اس کو پسند نہ ہو تو وہ نکاح مردود ہے۔''

اور مردود سے مراد عدم انعقاد ہے، یعنی نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، چنانچہ امام بغوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وليس المراد من ردّ النكاح رفعاً بعد الانعقاد وإنما هو حكم بأنه مردود غير منعقد."

(شرح السنة: ۹/ ۳۳)

''نکاح کے ردّ کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے نکاح کے انعقاد کو تسلیم کرنے کے بعد اس نکاح کو فسخ فرمایا بلکہ حکم یہ ہے کہ یہ نکاح مردود ہے، منعقد ہی نہیں ہوا۔''

ایک دوسرے واقعہ میں فسخ نکاح کا اختیار دینے کا ذکر ہے، حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

''ایک کنواری لڑکی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے جب کہ وہ اس رشتے سے ناخوش ہے۔ نبی ﷺ نے اسے (نکاح باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا) اختیار دے دیا۔''

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۱۸۷۵)

ایک اور واقعہ حدیث میں منقول ہے:

''ایک نوجوان لڑکی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تاکہ میرے ذریعے سے اس کا مقام بلند ہو جائے۔ آپ ﷺ نے لڑکی کو (نکاح فسخ کرنے کا) اختیار دے دیا۔ (لیکن) اس لڑکی نے کہا: میں اپنے والد کے کیے ہوئے نکاح کو قبول کرتی ہوں، میں تو یہ چاہتی تھی کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے باپوں کو (لڑکی کی رضا حاصل کیے بغیر) کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔''

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۱۸۷۴)

ان احادیث سے واضح ہے کہ ولی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا نکاح، چاہے وہ باکرہ ہو یا بیوہ ومطلقہ، اس کی رضامندی کے بغیر کر دے۔ اگر کوئی ولی ایسا کرے گا تو لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے کسی لڑکی کو یہ اختیار بھی نہیں دیا ہے کہ وہ والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر گھر سے فرار ہو کر کسی عدالت میں یا کسی اور جگہ جا کر از خود کسی سے نکاح رچا لے۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو ایسا نکاح باطل ہوگا، وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ نکاح کی صحت کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ اس اعتبار سے والدین سے خفیہ شادی قطعاً ناجائز ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اسلام کی مذکورہ تعلیم میں بڑا اعتدال اور توازن ہے۔ لڑکی کو تاکید ہے کہ والدین نے اسے پالا پوسا ہے، اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا ہے، وہ مستقبل میں بھی جب کہ وہ اپنی نوجوان بچی کو دوسرے خاندان میں بھیج رہے ہیں، اس کے لیے روشن امکانات دیکھ رہے ہیں اور اس کی روشنی ہی میں انھوں نے اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے حقیقی محسن، سچے خیر خواہ اور نہایت مشفق وہم دَرد والدین کے فیصلے کو رضامندی سے قبول کر لے۔ دوسری طرف والدین کو لڑکی پر جبر کرنے اور اس کی رضامندی حاصل کیے بغیر اس کی شادی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اگر کوئی ولی بالجبر ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو فقہاء نے ایسے ولی کو ولی عاضل (غیر مشفق) قرار دے کر ''ولیِ اَبعد''

کو آگے بڑھ کر اس کی شادی کرنے کی تلقین کی ہے۔ ''ولیِ اَبعد'' کسی وجہ سے اس کا اہتمام کرنے سے قاصر ہو تو عدالت یا پنچایت یہ فریضہ سرانجام دے گی۔

فقہاء کے اس فیصلے یا تلقین کی بنیاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی طبرانی اوسط کی یہ حدیث ہے جس کی سند کو حسن قرار دیا گیا ہے:

((لا نكاح إلا بولي مرشد أو سلطان.))

(فتح الباري: ٩/ ٢٤٠)

''مرشد (خیر خواہ) ولی یا سلطان کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔''

اس کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جس میں ولی کی اجازت کے بغیر کیے گئے نکاح کو باطل کہا گیا ہے۔ اس میں آگے یہ الفاظ ہیں:

((فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له.)) (أبوداود، رقم الحديث: ٢٠٨٣، سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ١٨٧٩)

''اگر ولی آپس میں لڑیں تو اس صورت میں ہر اُس عورت کا ولی سلطان ہوگا جس کا کوئی ولی نہیں۔''

اس جھگڑے سے مراد ایسا جھگڑا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے اولیاء اس کے نکاح میں رکاوٹ بن جائیں تو ایسے اولیاء کو عاضل (غیر مشفق اور نا اہل) قرار دے کر ''ولیِ اَبعد'' یا سلطان (قاضی یا حاکم مجاز) کو ولی بنایا جائے گا۔

صاحب ''سبل السلام'' اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اولیاء کے جھگڑے سے مراد ان کا عورت کا نکاح کرنے سے انکار کرنا ہے۔ اور یہی عضل ہے جس کی وجہ سے ولایت، سلطان کی طرف منتقل ہوجائے گی اگر ''ولیِ اَقرب'' غیر مشفقانہ رویہ اختیار کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ ولایت ''ولیِ اَبعد'' کی طرف منتقل ہوگی اور سلطان کی طرف ولایت کا انتقال اس بات پر مبنی ہے کہ ''ولیِ اَقرب''، ''ولیِ اَبعد'' کو بھی شادی کرنے سے روک دے اور یہ قرین قیاس ہے۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ سلطان ہر اُس عورت کا ولی ہے جس کا ولی نہ ہو۔ وہ سرے سے ہی نہ ہو یا اس کے نکاح سے روکنے کی وجہ سے اس کو ولی بننے سے روک دیا گیا ہو، اسی طرح اگر ولی غیر موجود ہو۔'' (تینوں صورتوں میں سلطانِ وقت ولی کے فرائض انجام دے گا۔)

(سبل السلام: ٣/ ١١٦)

بعض فقہاء نے عضل ولی کے لیے قرآنِ کریم کی آیت ﴿فَلَا تَعۡضُلُوهُنَّ .... إلخ﴾ [البقرة: ٢٣٢] ''تم عورتوں کو (ان کی پسندیدہ جگہوں پر دوبارہ شادی کرنے سے) مت روکو'' سے بھی استدلال کیا ہے جو بالکل صحیح ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ لڑکی کی رضامندی کا مسئلہ بھی اتنا اہم ہے کہ اسے نظر انداز کرنے والے ولی کو حقِ ولایت ہی سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ جبر اور عضل کا صحیح مفہوم بھی واضح کردیا جائے تا کہ مسئلے کی نوعیت میں کوئی ابہام نہ رہے۔

(جاری ہے)

شہزادہ نائف بن عبدالعزیز کے لیے دعائے مغفرت

سعودی ولی عہد شہزاہ نائف مرحوم کے لیے ادارہ نصر الائمہ کھیالی بائی پاس گوجرانوالہ میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مرحوم کی اسلام اور اہل اسلام کے لیے خدمات کو سراہا گیا اور بلندیِ درجات کی دعا بھی کی گئی۔

(ادارہ نصر الائمہ، ناظم امیر حمزہ طور نائب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث، گوجرانوالہ، پنجاب)

اللہ تعالیٰ کی مدد بہ ذریعہ صبر اور نماز

عبدالواحد گوندل، گوجرانوالہ

استرجاع؛ صابرین کی شناخت:

﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝﴾ [البقرۃ: ١٥٦]

''یہ ہیں وہ لوگ جب مصیبت اُن پر پڑے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

صبر کرنے والے مومنوں کا یہ وصف ہے کہ مصائب کے آنے پر کہتے ہیں "إنا لله" یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں۔ صرف زبان سے کہہ دینا مراد نہیں بلکہ دل سے قائل ہونا اور یقین رکھنا مراد ہے۔ "إنا إليه راجعون." یعنی اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ زندگی عارضی اور چند روزہ ہے، ہمیشہ اس دنیا میں نہیں رہنا ہے، ہمیں خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہ ''استرجاع'' ہے یعنی دی ہوئی چیز واپس لینا۔ ہر تکلیف ومصیبت پر دل سے یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ امت محمدیہ سے پہلے یہ الفاظ کسی امت کو عطا نہیں کیے گئے، ورنہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام اسی طرح ''استرجاع'' کرتے۔ یہ خاص مہربانی اللہ تعالیٰ نے ہم پر کی ہے۔ الحمد للہ (فتح العزیز)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بیان کیے ہیں:

((إنما الصبر عند الصدمة الأولى.))

یعنی صدمے کی اطلاع اور اس کی پہلی چوٹ کے وقت صبر کرنا ہی صبر ہے۔

اکثر مفسرین کرام نے "إذا" کے لفظ کی یہی تفسیر کی ہے کہ جس وقت مصیبت کا سامنا ہو اسی وقت صبر کرے۔

ایک عورت اپنے بچے کی قبر پر آہ وبکا کر رہی تھی، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے اور فرمایا: ''اللہ کی بندی! صبر کر۔'' وہ آپ کو جانتی نہ تھی، کہنے لگی: تم پر ایسی نہیں پڑی۔ آپ ﷺ چلے گئے۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول تھے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس گئی۔ حجرہ مبارک کے باہر دربان نہ پا کر گویا ہوئی: کیسا بادشاہ ہے، مکان کے باہر دربان نہیں ہے! پھر اُس نے آپ ﷺ سے معذرت کی۔ آپ ﷺ نے اسی کو ((إنما الصبر عند الصدمة الأولى.)) فرمایا تھا۔ واویلا، چیخ وپکار، بین کر کے تھک ہار کر صبر کیا تو یہ صبر نہیں۔

ہر تکلیف پر إنا لله وإنا إليه راجعون کہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر دیا بجھ گیا تو آپ ﷺ نے إنا لله وإنا إليه راجعون کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں، جو چیز تکلیف اور قلق کا باعث ہو اور دل کو اُس سے کچھ لگاؤ ہو تو اس کا کھو جانا بھی مصیبت ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ کہیں سے تشریف لائے تو آپ ﷺ کے انگوٹھے میں کانٹا چبھا ہوا تھا۔ اس کے درد سے بار بار ''استرجاع'' کرتے اور انگوٹھے کو ملتے۔ میں نے پاس جا کر دیکھا تو عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، اس قدر معمولی زخم پر ایسی دردمندی اور اتنا استرجاع! آپ ﷺ میری بات پر ہنسے اور میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں، کبھی ایسی چھوٹی مصیبت بھی بڑی بن جاتی ہے، اس لیے اس معمولی زخم پر بھی انا للہ پڑھا ہے۔ معلوم ہوا چھوٹی مصیبت پر استرجاع بڑی مصیبت کے لیے رکاوٹ ہے، یعنی اگر چھوٹی پر انا للہ

کہے گا تو بڑی مصیبت سے بچ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کسی مسلمان کی موت کی خبر سنو تو ”إنا لله وإنا إليه راجعون وإنا إلى ربنا لمنقلبون ." کہا کرو اور اپنی موت کو سامنے رکھو۔“

ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوتے کے تسمے کے ٹوٹنے پر بھی انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے اور اس پر ”استرجاع“ ثواب کا باعث ہوگا۔ اس کی تائید حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا للہ پڑھا۔

حضرت سعید بن مسیّب اور امام حسن بصری رحمہما اللہ کبھی با جماعت نماز سے رہ جاتے، یعنی کسی رکاوٹ کی وجہ سے بروقت مسجد نہ پہنچ پاتے تو بلند آواز سے إنا لله وإنا إليه راجعون کہتے۔ امام حسن بصری سے لوگ اس موقع پر تعزیت کے لیے آئے آپ نے واضح کیا کہ کوئی عزیز فوت نہیں ہوا، تکبیر اولیٰ رہ گئی تھی۔ لوگ حیران ہوتے اور بعض دریافت حال کے لیے اُن کے پاس آتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی میں چار عادتیں جمع ہوجائیں اس کے لیے بہشت میں گھر تیار ہوتا ہے:

۱: اپنے تمام کاموں میں مدد کی التجا اللہ تعالیٰ سے کرے۔
۲: مصیبت کے وقت استرجاع کرے۔
۳: ہر نعمت پر الحمدللہ کہے۔
۴: گناہ ہوجائے تو استغفراللہ کہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹی! نہ رو۔ جب میں فوت ہوجاؤں تو إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھنا۔ یہ ہر انسان کے لیے مصیبت کا عوض ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عوض؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میرا بھی عوض۔

(فتح العزیز، طبقات ابن سعد)

غیر معمولی پریشانی میں اگر إنا لله وإنا إليه راجعون کہنا یاد نہ رہے تو بعد میں بھی کہہ سکتا ہے۔ مسند احمد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اگر مصیبت گزر جانے کے بعد یاد آئے اور انا للہ کہا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ایسے دیتے ہیں جیسے آج ہی یہ مصیبت آئی ہے۔

استرجاع میں تین باتیں ہیں:

۱: اپنے بندہ ہونے کا اقرار۔
۲: اللہ تعالیٰ کے مالک اور مختار ہونے کا اظہار واعتراف۔
۳: آخرت کے برپا ہونے کے یقین کا اعلان۔

ظاہر ہے یہ تینوں کس قدر اہم ہیں۔ اس طرح کے مصیبت میں مبتلا شاکر وصابر جو پریشان کن حالات میں بھی اپنے حقیقی مالک کو فراموش نہ کریں تو ان پر اس کی عنایات، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز گم ہوجائے یا اِدھر اُدھر ہوجائے تو میں إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھتا ہوں اور وہ چیز مل جاتی ہے۔ اور اپنے اہل خانہ کو بھی یہی تلقین کرتا ہوں۔

تجربہ کریں، ان شاء اللہ ایسے ہی ہوگا۔

صبر کی یادگار؛ چاہ زمزم اور صفا ومروہ۔ اہل صبر کا دنیا میں کیا اجر؟

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ٥﴾ [البقرة: ۱۵۸]

”بے شک صفا اور مروہ خدا کی ادب گاہوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اُس پر ان دونوں کے درمیان طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور جو خوش دلی سے نیک کام کرے تو اللہ قدر دان ہے اور اس کی نیت کو خوب

جانتا ہے۔“

اس سے پہلے صبر کرنے والوں کے فضائل اور اوصاف کا بیان ہوا۔ اب بطریق استشہاد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم کو اہل بلا کے ساتھ ہماری معیت، ان پر صلوات اور رحمتوں کے نزول، پیشوائے خلائق اور ہم رنگ انبیاء کرنے میں شک ہے تو ہم تمھارے فہم کے مطابق دلیل بیان کرتے ہیں اور وہ ہے کوہِ صفا اور کوہِ مروہ۔

(فتح العزیز)

یہ دو پہاڑ ہیں جو کعبہ سے متصل ہیں۔ اس جگہ دو صابروں نے اللہ کے فیصلے پر راضی ہو کر قیام کیا۔ یہ جنگل اور کوہستان تھا۔ پانی، نہ گھاس اور نہ آدمی۔ دشمن کا خوف، درندوں کا ڈر، بھوک اور پیاس کو فقط حکم الٰہی کی فرمانبرداری میں پورے صبر سے برداشت کیا۔ صفا اور مروہ اُن کے صبر اور اجر کی نشانی ہے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے شیر خوار بچے اسماعیل علیہ السلام کو لا کر جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصے پر چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا نام ونشان نہ تھا، اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور اُن کے پاس چھوڑ دی اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ ہاجرہ اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں: اے ابراہیم! تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس وغم خوار۔ ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھی مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حاجرہ علیہا السلام نے دریافت کیا: تیرے خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب ابراہیم نے فرمایا: ”ہاں، یہ خدا کا حکم ہے۔“ ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں: اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم شام کو لوٹ گئے۔

ہاجرہ علیہا السلام چند روز تک پانی پیتی اور کھجوریں کھاتی رہیں اور اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں، لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں۔ تب وہ پریشان ہوئیں، دودھ بھی نہ اترتا تھا، بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بے تاب ہونے لگا تو ہاجرہ اسماعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تاکہ اس حالت زار کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی نظر آ جائے مگر کچھ نظر نہ آیا، پھر بچے کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچے کے پاس آ گئیں۔ اس طرح سات مرتبہ کیا۔ آخر میں جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی، وہ چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی۔ ہاجرہ کہنے لگیں: اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ، تمھاری آواز سنی گئی ہے۔

دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرائیل) ہے۔ فرشتے نے اپنا پیر یا ایڑی اس جگہ ماری جہاں زم زم ہے۔ اس جگہ سے پانی اُبلنے لگا۔ ہاجرہ علیہا السلام نے دیکھا تو پانی کے چاروں طرف باڑھ بنانے لگیں مگر پانی برابر اُبلتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہا السلام پر رحم کرے، اگر وہ پانی کو زم زم کہہ کر اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چاروں طرف باڑھ نہ لگاتیں تو وہ آج زبردست چشمہ ہوتا۔“

بعض نے یہ لکھا ہے کہ ﴿ان الصفا والمروۃ .... إلخ﴾ آیت کا تعلق اور نسبت مناسک حج وعمرہ سے ہے۔ اسی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۶ سے ۲۰۳ میں ان مناسک کا بیان ہے لیکن وہاں پر اس کو رکھنے کی بجائے اس آیت کو اللہ تعالیٰ کی مدد بہ وسیلۂ صبر وصلاۃ حاصل کرنے والی آیات میں اس لیے درج کیا گیا ہے تاکہ اہل ایمان جان لیں کہ صبر کا پھل کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی شہادت ودلیل ہے اس امر پر کہ ماں اور بیٹے نے صبر واستقلال دکھایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کیا ملا؟ جو دیکھنا چاہے کہ خدا صبر پر بھی کچھ بدلہ دیتا ہے تو وہ صفا اور مروہ کو دیکھ لے۔

(تفسیر ثنائی از مولانا ثناء اللہ امرتسری)

۱: چاہِ زمزم، مبارک پانی ہے، خوراک کا کام بھی دیتا ہے، پیاس بجھاتا ہے، بیماریوں کا علاج ہے، اس میں شفا ہے۔ زم زم جس مقصد کے حصول کے لیے پیا جائے گا وہ مقصد اللہ تعالیٰ پورا کرے گا۔ یہ فرمانِ رسول ﷺ ہے۔

۲: حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس اُبلتے ہوئے پانی کو خاص حد تک نکلنے کے بعد رکنے کا کہا تو یہ اسی حد تک محدود ہوگیا اور ان کی ملکیت بنا، یعنی پانی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے حکم کا پابند کر دیا اور یہ صبر کا پھل ہے۔

۳: صبر کے نتیجے میں مکہ شہر آباد ہوا۔ بیت اللہ کی تعمیر ثانی اس کنبے کے حصے میں آئی۔

۴: ان کی نسل نے تمام عرب کو آباد کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت، امامتِ عالم اور ختم نبوت کا شرف بھی انھی کو ملا۔

۵: حج وعمرہ کے لیے آنے والوں کے لیے صفا اور مروہ کی سعی واجب کی گئی تا کہ صبر کی قدر ہو۔ صبر کی طرف اہل ایمان کی توجہ رہے اور اسے یاد رکھا جائے۔

۶: کنویں سوکھ جاتے ہیں۔ پانی گہرا ہو کر انسانوں کی رسائی سے باہر ہو جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو گدلا اور خراب ہو جاتا ہے۔ چاہ زم زم برابر چل رہا ہے۔ پچاس سال قبل چند مسلمان انگریز مکہ آئے، وہ طبقات الارض کے ماہرین تھے۔ زیر زمین پانی کے ذخائر تلاش کرنا اور ان کی مقدار کا اندازہ لگانا ان کا کام تھا۔ انھوں نے چاہِ زمزم کا معائنہ کیا، آلات کے ذریعے جائزہ لیا۔ سعودی حکومت کو رپورٹ دی کہ کنواں چار پانچ سال کے بعد خشک ہو جائے گا۔ لیکن متبرک کنواں اب بھی جاری ہے اور اس کا پانی پائپوں کے ذریعے چار سو میل دور مدینہ منورہ بھی پہنچا دیا گیا۔ کروڑوں مسلمان عرب میں ہی نہیں دنیا کے ہر ملک میں اس پانی کو لے جا رہے ہیں اور اس کا پانی پی رہے ہیں۔ یہ پانی کتنے ہی دن پڑا رہے خراب نہیں ہوتا۔

صبر پر اجر وانعام کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، تین کا مزید ذکر کرتا ہوں:

① حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے۔ ان کا بیان سن کر اور کرتہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: تم نے اپنے دل سے ایک بات بنا لی ہے، اس پر صبر ہی کر سکتا ہوں اور جو تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد کا خواستگار ہوں۔ یعنی اگر صبر کروں گا تو مدد آئے گی۔ جب بیٹے دوسری مرتبہ مصر گئے اور بیٹے بنیامین پر چوری کا الزام لگ گیا، پھر بھی یہی فرمایا ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ آپ نے کمال درجہ کا صبر کیا۔ آخرت کا اجر تو بہت زیادہ ہے، دنیا میں بھی اجر سے سرفراز کیا گیا۔

۱: ابن ابی حاتم نے نصر بن عربی سے نقل کیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو چوبیس سال تک یوسف علیہ السلام کے زندہ یا مردہ ہونے کی کوئی خبر نہ ملی، پھر خوش خبری ملی کہ یوسف زندہ ہی نہیں بلکہ ملک مصر کا بادشاہ ہے۔

۲: آپ کو اور آپ کے کنبے کو مصر لے جانے کے لیے شاہی سواریاں آئیں۔

۳: سکندریہ سے کئی میل باہر جا کر اعیانِ حکومت نے آپ کا استقبال کیا۔

۴: امام مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت یعقوب چھ سال نابینا رہے، پھر صبر کے اجر میں نظر بحال ہوئی۔

۵: آپ کو ملک مصر کے تخت پر بٹھایا گیا۔

۶: چار سو سال تک آپ کے خاندان کی مصر پر حکومت رہی۔

۷: ہزارہا پیغمبر آپ کی نسل سے بنی اسرائیل میں ہوئے۔

۸: ''اسرائیل'' کے نام سے آج تک اس خاندان کو یاد کیا جاتا ہے۔ اسرائیل (اللہ کا بندہ) آپ کا نام ہے۔

② دوسری مثال حضرت ایوب علیہ السلام کی ہے۔ ان کے صابر ہونے کا ذکر قرآنِ مجید میں دو مقام پر ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ بہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک نصب (جسمانی دکھ) اور عذاب (مالی تباہی) میں مبتلا رہے اور زبان

پر حرف شکایت نہ آیا، کامل صبر کیا۔ اجر وانعام دنیا میں کیا ملا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا﴾

[ص: ٤٣]

یعنی تلف شدہ مال، اہل وعیال، مویشی، کھیتی باغات وغیرہ دوگنا عطا کر دیے گئے۔

حکم ہوا زمین پر ایڑی مارو چشمہ پھوٹ پڑے گا، اس میں سے پانی پیو اور غسل کرو تمام تکالیف ختم ہو جائیں گی۔ آپ غسل کر رہے ہیں اور اوپر سے سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہو رہی ہے۔

③ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بچہ بیمار تھا، وہ کسی ضرورت سے سفر پر چلے گئے۔ شام کو واپس آئے تو بچے کا حال معلوم کیا۔ اہلیہ محترمہ (ام سلیم) نے کہا: بچہ سکون سے ہے۔ وہ سمجھے کہ سو گیا ہے، حالانکہ اُن کی آمد سے پہلے بچہ فوت ہو گیا تھا۔ بیوی نے اس کو اندر لٹا دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو کھانا پیش کیا۔ آپ نے کھانا کھایا اور آرام کیا۔ میاں بیوی نے شب باشی بھی کی۔ ام سلیم نے صبح پوچھا کہ امانت والا امانت واپس مانگ لے تو بہ خوشی واپس کرنی چاہیے یا نہیں؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بہ خوشی واپس کرنی چاہیے۔ اب اللہ کی بندی نے بچہ لا کر سامنے ڈال دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ امانت واپس لے لی ہے۔ ابوطلحہ حیران و پریشان ہو کر نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ انھوں نے کمال درجہ کا صبر کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو یکے بعد دیگرے نو لڑکے عطا کیے جو سب قرآنِ مجید کے قاری تھے۔ (صحیح بخاری)

بعض نے کہا ہے کہ وہ ان کے پوتے تھے۔

عیادت، تعزیت اور دعائے مغفرت:

مصیبت میں مبتلا لوگوں سے تعزیت، یعنی اُن کو صبر کی تلقین کرنا اور تسلی دینا سنت ہے۔ تعزیت سے اہل مصیبت کے مغموم دلوں کو تسلی وتشفی ہوتی ہے، اُن کو صبر وسکون حاصل ہوتا ہے اور تعزیت کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے۔ امام ابن ماجہ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من عزى مصابا فله مثل أجره.))

''جس نے مصیبت زدہ سے تعزیت کی اس کو ویسا ہی اجر ملے گا جیسا مصیبت زدہ کو (صبر کرنے پر) دیا جائے گا۔''

صحابہ کرام درج ذیل مسنون الفاظ سے تعزیت کیا کرتے تھے:

"إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء عنده بأجل مسمى فلتصبر ولتحتسب."

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحب زادی کا لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعزیت فرمائی:

''اللہ تعالیٰ ہی کا تھا جو اُس نے لے لیا اور اُسی کا ہے جو اُس نے دیا اور اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، پس صبر کرنا چاہیے اور ثواب حاصل کرنا چاہیے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تعزیتی خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاذ بن جبل کو سلام علیک۔ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد! اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اجر زیادہ کرے اور تمھارے دل میں صبر ڈالے اور ہم کو اور تم کو شکر نصیب کرے۔ بے شک ہماری جانیں، ہمارے مال، ہمارے اہل اور ہماری اولاد اللہ تعالیٰ کی عمدہ بخششوں میں سے ہیں اور اس کی عاریتاً دی ہوئی چیزوں سے ہیں جن کی حفاظت اور نگہبانی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ ہم لوگ اُن سے ایک مدت معین تک فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ اُن کو وقت مقررہ پر لے لیتا ہے، پھر اُس نے ہم لوگوں پر شکر کرنا فرض کیا ہے جب وہ عطا کرے اور صبر کرنا فرض کیا ہے جب وہ مبتلا کرے۔ پس تمھارا لڑکا اللہ تعالیٰ کی عمدہ بخششوں سے تھا اور وہ عاریتاً دی ہوئی چیزوں سے تھا جس کی حفاظت اور نگہبانی کا تم کو حکم کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس لڑکے سے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ متمتع کیا اور

تم سے اُس کو اجر کثیر کے ساتھ لے لیا جو بخشش، رحمت اور ہدایت ہے۔ اگر تم ثواب لینا چاہو تو صبر کرو، تمھاری بے صبری کسی چیز کو لوٹا نہیں لاتی اور نہ رنج وغم کو دور کرتی ہے اور جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔'' (حاکم، ابن مردویہ)

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اپنے چھوٹے بچے کو بھی ہم راہ لایا کرتے تھے۔ بچے کی وفات پر آپ ﷺ نے اس صحابی سے ملاقات کی اور اس سے تعزیت کی، تسلی وتشفی دی اور فرمایا: تم کو یہ پسند ہے کہ تم دنیا میں عمر بھر اپنے بچے سے متمتع (نفع اُٹھاتے) رہو یا یہ پسند ہے کہ کل قیامت کے دن جنت کے جس دروازہ پر پہنچو تمھارا یہ بچہ جنت کا دروازہ کھولنے کے لیے پہلے سے موجود ہو اور تیرے لیے دروازہ کھول دے سو تمھارے لیے ایسا ہی ہوگا۔ ایک سوال پر فرمایا: یہ خاص اس کے لیے نہیں سب کے لیے ہے۔

(سنن نسائي، مسند أحمد)

مصیبت زدہ کے پاس جانا اور اس کو تلقین صبر کرنا، اس کے نقصان کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، بہ صورت موت مرنے والے کے لیے مغفرت اور نجات کی دعا کرنا، اس کے گناہوں کی معافی، اس کی غلطیوں سے درگزر کرنے اور نیکیوں کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دل سے دعا کی جائے۔

صحیح مسلم (کتاب الجنائز) میں حضرت اُسامہ بن زید کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اپنے ایک نواسے کی رحلت پر ان الفاظ میں تعزیت کی تھی:

"إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء عنده بأجل مسمى."

یعنی اللہ ہی کا ہے جو اُس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اُس نے دیا ہوا ہے اور ہر چیز کی اس کے نزدیک ایک عمر (مدت) مقرر ہے۔

وفات کی خبر لانے والے قاصد کو آپ نے یہ الفاظ فرمائے اور اس کو یہ بھی فرمایا کہ صاحب زادی کو کہو کہ صبر کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے۔

دوبارہ پیغام آنے پر آپ بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔

(بخاری، ابوداود، ابن ماجہ، نسائی)

موطأ امام مالک میں الفاظ یہ ہیں:

"إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء عنده بأجل مسمى."

رسول اللہ ﷺ نے اس طرح صحابہ کرام کو تعزیت کا طریقہ سمجھا دیا۔ اس کے علاوہ بھی دعائیہ کلمات کہہ سکتے ہیں۔ عربی کے علاوہ اپنی زبان میں بھی دعا کر سکتے ہیں۔

سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

''اور جو اُن کے بعد آئے کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور نہ پیدا کرنا ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے۔ اے ہمارے ربّ! بے شک تُو رؤف رحیم ہے۔''

اس آیت سے ظاہر ہے پچھلوں کو پہلوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے، اس سے اُن کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اُن کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت پر فرشتوں نے بھی تعزیت کی تھی۔ اس کا ذکر امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے کیا ہے۔ حصن حصین میں امام ابن الجزری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت خضر علیہ السلام کی تعزیت کا بھی ذکر کیا ہے۔

بیمار پرسی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی بیمار کو دیکھنے جاتا ہے تو اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوجاتی ہے، پھر جب وہاں بیٹھتا ہے تو وہ رحمت اس کے اندر بیٹھ جاتی ہے یا اس کے مثل کچھ فرمایا۔'' (موطأ إمام مالك)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتا ہے اور فرماتا ہے: دیکھتے رہو کہ وہ اُن لوگوں سے جو اُس کی عیادت کے

لیے آتے ہیں کیا کہتا ہے۔ اگر وہ بیمار آنے والوں کے سامنے اللہ جل جلالہ کی تعریف اور ستائش کرتا ہے تو دونوں فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ اُن کو پوچھتا ہے حالانکہ وہ سب جانتا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے اگر میں اپنے بندے کو اپنے پاس بلالوں گا تو اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ اور اگر شفا دوں گا تو پہلے سے بہتر گوشت اور خون عطا کروں گا اور اس کے گناہ معاف کردوں گا۔''

(موطأ إمام مالك)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے میرے بندے! میں بیمار ہوا تھا، تُو میری عیادت کو نہ آیا۔ بندہ عرض کرے گا: اے اللہ! تُو ربّ العالمین ہے، تُو کب بیمار ہوا؟ فرمائے گا: میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا، اس کی بیمار پرسی کے لیے تُو جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔

کبیرہ گناہ کا مرتکب عیادت کا حق دار نہیں جیسے فرمان ہے:

((لا تعودوا الخمر إذا مرضوا .))

مصیبت زدہ کو تسلی اور تشفی دینا مسنون عمل ہے۔ وفات پر ورثاء سے تعزیت کا حکم ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں اس پر خاص اجر کا ذکر ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ موتہ کے تین کمانڈروں کے شہید ہونے کی خبر آئی تو اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے غم ظاہر ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس حدیث سے تعزیت کے لیے بیٹھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (حافظ ابن حجر)

امام شوکانی، نیل الاوطار میں حدیث لائے ہیں جس میں ذکر ہے کہ تعزیت ایک مرتبہ کرنا جائز ہے۔ (بار بار تعزیت کرنے سے غم تازہ ہوگا۔)

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے غزوہ اوطاس کے کمانڈر عبید ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں تیر لگنے سے شہید ہوگئے۔ شہادت سے قبل انھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے بھتیجے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا اور میرے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست کرنا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چارپائی پر تھے۔ ابو عامر کا پیغام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی۔

غزوہ موتہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جعفر کے اہل وعیال کے لیے کھانا بناؤ کیوں کہ ان کو ایسی خبر ملی ہے جو اُن کو کھانا بنانے سے روکتی ہے۔

(أبو داود، ترمذي، ابن ماجه)

مرقاۃ میں حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

متوفی کے گھر والوں کو بہ اصرار کھانا کھلایا جائے۔ کھانا اتنا ہو جو دن رات دونوں وقت کے لیے کافی ہو۔ اس واسطے کہ رنج اور غم جو کھانا کھانے اور بنانے میں رکاوٹ بنتا ہے غالباً ایک دن سے زیادہ باقی نہیں رہتا۔

تین دن تک کھانا بھیجنے کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔

(علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری)

ابن ماجہ اور مسند احمد میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ہم لوگ (صحابہ کرام) دفن کے بعد اہل میت کے ہاں جمع ہونے، کھانا بنانے اور کھانے کو نوحہ کی ایک قسم سمجھتے تھے، یعنی جیسے نوحہ جائز نہیں یہ رسم بھی جائز نہیں۔ فی زمانہ اس میں جس قدر مبالغہ ہوگیا ہے تو یہ بے حد ناروا اور تکلیف دہ رسم ہے۔ اللہ ہمیں اسلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

سیرت وسوانح

مداحِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

پروفیسر مسعود الرحمٰن نقیب میرے نہایت پیارے دوستوں میں سے ایک ہیں۔ جولائی ۱۹۹۰ء سے ان سے میرے گہرے دوستانہ مراسم قائم ہیں۔ جس دور میں ان سے دوستی ہوئی تو انھوں نے ازراہِ محبت مجھے ''حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو'' کتاب کا حصہ اوّل ہدیتا عنایت فرمایا۔ کتاب اس قدر دلچسپ، ایمان افروز اور اردو زبان وادب کی چاشنی کو اپنے دامن میں لیے ہوئے تھی کہ میں نے تین چار گھنٹے میں اس کا مطالعہ کرڈالا۔ اس کے بعد اس کتاب کے مصنف کی جو بھی کتاب اشاعت پذیر ہوئی اس کے حصول اور مطالعہ کی جستجو رہی۔ ۱۹۹۹ء کے موسم سرما کی آمد آمد تھی کہ ایک روز دوپہر کے وقت کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب مکتبہ کی جانب خراماں خراماں چلے آرہے ہیں۔ نکلتا ہوا قد، کتابی چہرہ، سفیدی مائل گورا رنگ، خوب صورت داڑھی، سر پر قراقلی ٹوپی، شلوار قمیص زیب تن، پاؤں میں بند جوتا، دیکھنے میں مردانہ حسن کا خوب صورت پیکر۔ انھیں دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ ضرور یہ کوئی اونچی ہستی ہے۔ میں جلدی سے اُٹھا ان کے سلام کا جواب دیا اور ان سے مصافحہ ومعانقہ کیا اور انھیں کرسی پر تشریف رکھنے کو کہا۔ سلام دعا کے بعد ان سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ بزرگ جماعت اہل حدیث کے معروف عالم دین، مصنف ومترجم اور مداحِ صحابہ حضرت مولانا محمود احمد غضنفر صاحب ہیں جن کی کتابوں کا عرصہ دراز سے میں مطالعہ کرتا آیا تھا۔ ان سے میری یہ پہلی ملاقات تھی جو یادگار رہی۔ اس ملاقات سے میرے ان سے دوستانہ مراسم قائم ہوئے۔

گاہِ گاہِ مولانا محمود صاحب فیصل آباد تشریف لاتے تو راقم کے ہاں مکتبہ پر بھی ضرور آتے اور ان سے خوب مجلس رہتی۔ مولانا محمود صاحب دلچسپ آدمی تھے اور اپنی عذوبت لسان اور شیرینی گفتار سے خوب محظوظ کرتے۔

ایک بار تشریف لائے اور میرے استفسار پر فرمانے لگے ''جنت'' میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ شام کو مکتبہ سے فارغ ہوکر تشریف لائیں باتیں ہوں گی۔ میں نے تعجب سے پوچھا تو وضاحت کی کہ چنیوٹ بازار میں الجنت ہوٹل میں قیام پذیر ہوں، چنانچہ رات کو میں اور میرے مرحوم دوست علی ارشد چودھری انھیں الجنت ہوٹل میں جاکر ملے۔ انھوں نے چائے اور دیگر لوازمات سے ہماری تواضع کی۔ اس ملاقات میں انھوں نے ایک رجسٹر بھی دکھایا جس میں ''حیاتِ انبیاء'' کتاب کے ابتدائی مضامین لکھے ہوئے تھے۔ بعد میں یہ کتاب نعمانی کتب خانہ لاہور کی طرف سے بہت خوب صورت انداز میں شائع کی گئی۔

ایک بار راقم کی دعوت پر مولانا محمود صاحب میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ علی ارشد چودھری مرحوم بھی ہم راہ تھے۔ رات کا کھانا کھایا اور دیر تک ان سے مجلس رہی۔ اثنائے گفتگو انھوں نے بتایا کہ ایک بار وہ کویت میں مکتبہ احمد بن حنبل پر کتابیں دیکھ رہے تھے کہ ابن ندیم کی ''الفہرست'' پر نظر پڑی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ جو کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ نے کیا ہے، ان کے پاس تھا۔ اصل عربی کتاب میں نے اٹھائی اور اس کا ورق الٹا تو باب القلم کے تحت شعر لکھا تھا:

"ببکاء الأقلام تتبسم الكتب ."

''قلم کی اشک باری سے کتابیں مسکراتی ہیں۔''

اتفاق سے اس وقت کتابوں کے اسٹال پر مکتبے کا مالک موجود تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر اسے عربی کا یہ جملہ سنایا جسے سن کر وہ جھوم اُٹھا اور اس نے ''الفہرست'' کے اس عربی نسخے پر میرا نام لکھ کر مجھے کتاب ہدیہ کر دی۔

میری ذاتی لائبریری میں ان کے ہم نام علامہ محمود میر پوری (وفات: ۹/اکتوبر ۱۹۸۸ء) کے کالموں کا مجموعہ ''تلخ وشیریں'' موجود تھا۔ مولانا محمود صاحب نے اس کتاب کے ابتدائی سادہ صفحے پر مذکورہ شعر اور اس کا اردو ترجمہ لکھ کر نیچے اپنے دستخط کر دیے، میری لائبریری میں یہ کتاب موجود ہے۔ اور اس کے ابتدائی سادہ صفحے پر مولانا کے دستخط کے نیچے جو تاریخ رقم ہے وہ ۱۱/ مارچ ۲۰۰۱ء ہے۔

مولانا محمود صاحب مروت اور محبت والے علم دوست انسان تھے۔ کئی سال سے مختلف عوارض نے ان کو گھیر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ان کا قلم تصنیف وتالیف اور ترجمہ کتب میں خوب چل رہا تھا۔ اور انھوں نے عزم وہمت سے کئی کتابوں کو تصنیف کیا اور کئی عربی کتابوں کے اردو ترجمے کر دیے۔

۲۸/ دسمبر ۲۰۰۸ء کو میں ان کے ہاں شیخوپورہ حاضر ہوا تھا۔ بیماری کے باوجود نہایت خلوص، محبت، شفقت اور تپاک سے ملے۔ اس دن ان کے پوتے کا عقیقہ تھا اور ان کے بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ان سب سے میرا تعارف کرایا اور میری قلمی کاوشوں سے ان کو آگاہ کیا اور ساتھ ہی اچھے الفاظ میں میری حوصلہ افزائی کی، پھر کویت میں مقیم اپنے اکلوتے صاحب زادے سے فون پر میری بات بھی کروائی۔ اس مجلس میں انھوں نے بعض ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کے دلچسپ واقعات اور لطائف سنا کر محفل کو خوب گرمایا۔ شیخ اشرف مرحوم کے بارے انھوں نے بتایا کہ لاہور کے کشمیری بازار میں اہل حدیث اکادمی کے نام سے شیخ صاحب کی دکان تھی۔ وہاں آکر گاہک کتاب مانگتا، اگر مطلوبہ کتاب نہ ہوتی تو شیخ صاحب کہتے آپ تشریف رکھیں، پھر وہ گاہک کا جوتا پہن کر کسی دوسری دکان سے کتاب لینے چلے جاتے۔ ایسا وہ اس لیے کرتے کہ گاہک کہیں جانے نہ پائے۔ وہ صحیح معنوں میں کاروباری شخص تھے۔

شیخوپورہ میں مولانا محمود صاحب سے دو گھنٹے مجلس رہی۔ میں اجازت لے کر آنے لگا تو ازراہِ کرم انھوں نے اپنی دو کتب ''گلشن رسالت کی مہکتی کلیاں'' اور اردو ترجمہ ''شمائل محمدیہ'' اپنے دستخطوں سے مرحمت فرمائیں۔

بلاشبہ مولانا محمود احمد غضنفر عصر حاضر کے بلند پایہ مصنف، ادیب، مترجم اور مفسر قرآن ہیں۔ ان کی کتابوں میں علمی شان کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی رعنائی بھی عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ اور ان کی کتابیں دینی، مذہبی، علمی اور ادبی حلقوں میں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ قارئین اس انتظار میں رہتے کہ ان کی کون سی نئی کتاب کب چھپ کر مارکیٹ میں آئے اور وہ اسے خرید لیں۔

تمہید ذرا طوالت ہوگئی، اب آئیے ان کے ابتدائی حالات اور دینی وتصنیفی خدمات کا کھوج لگانے کی کوشش کریں۔

ابتدائی حالات اور تعلیم:

مولانا محمود احمد غضنفر صاحب یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں ہندوستان کے معروف شہر لدھیانہ کے نواحی قصبے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام غلام محمد تھا۔ وہ چینی کا کاروبار کرتے تھے اور پوت (ضلع لدھیانہ) میں گاؤں کے کھاتے پیتے لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مسلک اہل حدیث سے انھیں والہانہ لگاؤ تھا۔ گاؤں میں اکثر جماعتی جلسے ہوتے اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، حافظ اسماعیل روپڑی، سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا یحیٰی حافظ آبادی، مولانا علی محمد صمصام اور دیگر بہت سے علمائے اہل حدیث ان جلسوں میں تشریف لاتے۔ ان علمائے کرام کے قیام اور کھانے کا انتظام محترم غلام محمد صاحب اپنے گھر میں کرتے تھے۔ مولانا محمود احمد صاحب اس نیک طینت انسان کے بیٹے ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد یہ اہل حدیث خاندان لدھیانہ سے نقل مکانی کر کے فیصل آباد (پاکستان) کے نواحی قصبہ ڈگورا میں آباد ہوا۔ مولانا محمود صاحب نے سکول کی ابتدائی چھ جماعتیں پاس کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کا آغاز کیا۔ آپ ۱۹۵۸ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام:

انھوں نے جن اساتذہ کرام سے اکتسابِ علم کیا ان کے نام یہ ہیں: مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا حافظ احمد اللہ چھتوی، مولانا محمد علی جانباز، مولانا عبدالغفار حسن، مولانا علی محمد حنیف سلفی، حافظ بنیامین، مولانا کرم الدین اور مولانا گوہر الرحمٰن۔

علمی وتدریسی خدمات:

جامعہ سلفیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا محمود صاحب ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۰ء جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں تدریس پر مامور رہے۔ ان کی اعلیٰ تدریسی خدمات پر انھیں جامعہ تعلیمات کی طرف سے ''اشرف گولڈ میڈل'' سے بھی نوازا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں آپ فیصل آباد سے لاہور آ گئے اور اس بلدۂ علم میں آپ نے عزم وہمت اور ولولے کے ساتھ تعلیم وتعلم کی سرگرمیاں شروع کیں، وعظ وخطابت کا سلسلہ شروع کیا اور تحریر ونگارش کی بزم سجائی۔ اس شہر میں ان کی آمد ان کے لیے مبارک ثابت ہوئی اور وہ آگے ہی بڑھتے گئے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی میں اقامۃ البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد (الریاض، سعودی عرب) کی طرف سے برائے پاکستان ان کی تقرری عمل میں آئی اور آپ ۱۶ سال اس ادارے کے تحت اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔

لاہور میں رہ کر آپ نے جو دینی خدمات سرانجام دی اس کی تفصیل یہ ہے:

مساجد کی تعمیر:

۱: مسجد مزمل اہل حدیث، بند روڈ، لاہور۔

۲: مسجد ریاض الجنۃ اہل حدیث، اعوان ٹاؤن، لاہور۔

۳: مسجد انوار رحمت اہل حدیث، چک نمبر ۳۹ ج۔ب، تحصیل وضلع فیصل آباد۔

۴: مسجد ریاض الجنۃ اہل حدیث، شیخوپورہ۔

۵: مسجد اہل حدیث گرجا کالونی، لاہور روڈ، شیخوپورہ۔

خطابت:

مولانا محمود صاحب اچھے خطیب اور مقرر بھی تھے۔ وہ قرآن وسنت سے مربوط بڑی عمدہ تقریر کرتے تھے۔ آپ بلامعاوضہ ۱۴ سال مسجد مزمل اہل حدیث بند روڈ، لاہور اور ۱۴ سال مسجد ریاض الجنۃ اہل حدیث لاہور میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

مدرسہ:

مولانا محمود احمد صاحب نے ۱۹۸۲ء میں جامعہ الفیصل اسلامیہ کے نام سے مدرسہ بنایا جس میں تقریباً تین سو فلپائنی طلباء کے علاوہ انڈونیشیا، الجزائر، جزائر قمر، افغانستان اور پاکستان کے طلباء نے استفادہ کیا۔

حج:

۱۹۷۹ء میں حکومت سعودیہ کی دعوت پر آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس سال علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا خلیل احمد حامدی، مولانا غلام اللہ راولپنڈی اور میجر محمد اسلم مرحوم حج میں ان کے ساتھی تھے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

غیر ملکی اسفار:

برطانیا ۴ مرتبہ، متحدہ عرب امارات ۴ مرتبہ، کویت ۴ مرتبہ، سعودی عرب ۲ مرتبہ، انڈیا ایک مرتبہ، فلپائن ایک مرتبہ، افغانستان ۲ مرتبہ۔

تصنیفی خدمات:

مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ کا شمار دورِ حاضر کے چوٹی کے مصنّفین میں ہوتا تھا۔ اور ان کی کتابیں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں میں پڑھی جاتی تھیں۔ ان کا تصنیفی کام مختلف نوعیت کا ہے۔

اس میں قرآنِ مجید کا ترجمہ وتفسیر بھی ہے جو لکھا جا چکا ہے اور وہ عنقریب تفسیر ضیاء البیان کے نام سے اشاعت پذیر ہوگا۔ دوسرا احادیث رسول ﷺ کا ترجمہ اور تیسرا صحابہ وصحابیات سے متعلق عربی کتب کے اردو تراجم اور تالیفات۔

اب ان کی تصنیفات وتراجم کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

۱: حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درخشاں پہلو۔

۲: حیاتِ صحابیات کے درخشاں پہلو۔

۳: حیاتِ تابعین کے درخشاں پہلو۔

۴: جرنیل صحابہ (اردو، انگلش تالیف)۔

۵: حکمران صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ۶: شہسوار صحابہ رضی اللہ عنہم۔

۷: مبشر صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ۸: فقہائے مدینہ (علماء تابعین)۔

۹: صحابیات مبشرات (اردو، انگلش تالیف)۔

۱۰: خواتین اہل بیت۔ ۱۱: صحابیات طیبات۔

۱۲: صحابیات الرسول، گلشن رسالت کی مہکتی کلیاں۔

۱۳: مسلم معاشرہ قرآن وسنت کی روشنی میں۔

۱۴: رمضان ماہِ غفران۔ ۱۵: زوجات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۶: زوجات صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ۱۷: قصص النساء فی القرآن الکریم۔

۱۸: ضیاء الکلام شرح عمدۃ الاحکام۔

۱۹: عمدۃ الاحکام (اردو ترجمہ)۔

۲۰: حیاتِ انبیاء علیہم السلام (تالیف)۔

۲۱: کتاب الالمام باحادیث الاحکام (علامہ ابن دقیق العید)۔

۲۲: احادیث قدسیہ۔ ۲۳: احادیث الجہاد۔

۲۴: نبیوں کے قصے۔ ۲۵: کتاب الکبائر۔

۲۶: عہد تابعین کی جلیل القدر خواتین۔

۲۷: اصولِ دین۔

۲۸: حج وعمرہ قرآن وحدیث کے آئینے میں۔

۲۹: عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت۔

۳۰: دین کے چار بنیادی اصول۔

۳۱: عقیدہ طحاویہ۔ ۳۲: سگریٹ نوشی۔

۳۳: غیر شرعی نکاح (وٹہ سٹہ)۔

۳۴: میدانِ عمل میں اختلاط مرد وزن کے خطرناک نتائج۔

۳۵: سورۂ فاتحہ (ترجمہ وتفہیم)۔

۳۶: سورۂ یٰسین (ترجمہ وتفہیم)۔

۳۷: بغداد کا تاجر اور بچوں کی عدالت (تالیف)۔

۳۸: فضائل قرآن۔

۳۹: مسلمان اور احکامِ شریعت۔

۴۰: شمائل محمدیہ۔ ۴۱: تفسیر ضیاء البیان۔

۴۲: عشرہ مبشرہ۔ ۴۳: علماء وصحابہ رضی اللہ عنہم۔

ان کتابوں کے علاوہ مولانا محمود صاحب کے سینکڑوں مضامین پاک وہند کے اخبارات ورسائل میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ کراچی سے شائع ہونے والے اخبار ''امت'' نے ان کی کتاب ''حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو'' کو قسط وار مکمل شائع کیا۔ اسی طرح روزنامہ ''پوسٹ مارٹم'' لاہور نے ان کی کتاب ''جرنیل صحابہ'' کو مکمل شائع کیا۔ اور کئی سال سے صحیفہ اہل حدیث کراچی ان کی کتابوں سے مضامین لے کر تسلسل سے شائع کر رہا ہے۔

لاہور میں قیام کے زمانے میں ۱۹۹۰ء کی دہائی میں مولانا محمود صاحب نے ''دعوۃ الحق'' کے نام سے ایک مجلّہ بھی جاری کیا تھا۔ اس کے دو شمارے منظر عام پر آئے۔ دونوں شمارے بڑے ضخیم اور تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ''کویت نمبر'' تین سو صفحات پر مشتمل ہے جب کہ ''نجد وحجاز نمبر'' پانچ سو صفحات پر محیط ہے۔ ۱۹۸۸ء کے پس وپیش ہفت روزہ اہل حدیث لاہور نے ''حرمین شریفین نمبر'' شائع کیا تھا۔ اس کے مضامین کی جمع وترتیب اور طباعت واشاعت کا تمام تر اہتمام مولانا محمود صاحب نے کیا تھا اور یہ اہل حدیث کی خوب صورت اشاعت خاص تھی۔ اس اشاعت خاص کی ادارت کے فرائض مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ نے انجام دیے تھے۔

بلاشبہ مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ کی تعلیمی، تدریسی، تصنیفی اور دعوتی خدمات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ وہ عزم وہمت والے عالم دین تھے۔ غالباً ۲۰۰۳ء میں انھیں پہلی بار جسم کے بائیں جانب فالج کا حملہ ہوا تھا۔ علاج کے بعد ان کی صحت کافی بہتر ہو گئی تھی اور وہ پھر سے نئے عزم کے ساتھ اپنے تصنیفی کاموں میں جت گئے تھے۔ انھوں نے کبھی بھی بیماری کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا اور بیماری

کی شدت کے باوجود ایک درج سے زائد عربی کتابوں کے اردو تراجم کیے اور کئی کتب تالیف کیں۔ راقم کا ان سے مسلسل ٹیلی فونک رابطہ رہتا تھا وہ بھی گاہِ گاہِ فون پر اپنی تصنیفی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہتے۔ چند ماہ پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے گاؤں ڈگورا آئے ہوئے ہیں تو میں ان کی ملاقات کے لیے مولانا سعید اقبال طاہر، مولانا محمد اسحاق اور مولانا نجیب اللہ طارق صاحب کی ہم راہی میں ان کے گاؤں گیا۔ مولانا محمود صاحب ہمیں اپنے ہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دیر تک ان سے مجلس رہی۔ چائے اور دیگر لوازمات سے انھوں نے ہماری تواضع کی اور آتے ہوئے انھوں نے مجھے اپنی نئی تصنیف ''علماء صحابہ'' اپنے دستخط کے ساتھ سے مرحمت فرمائی۔ یہ ۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ کی بات ہے۔ اس موقع پر ہم نے گاؤں میں ان کی طرف سے تعمیر کردہ مسجد الرحمت اہل حدیث بھی دیکھی اور اس میں قائم لائبریری کا بھی مشاہدہ کیا۔ اور مولانا محمود صاحب سے ملاقات کی خوش گوار یادیں لے کر واپس گھر آئے۔

کچھ عرصہ پہلے مولانا محمود صاحب پر بیماری شدت سے حملہ آور ہوئی، لاہور کے ایک ہسپتال میں وہ زیر علاج رہے۔ افاقہ ہوا تو مولانا پروفیسر عبدالرحمٰن لدھیانوی صاحب انھیں اپنے ہاں لے آئے۔ اور پھر بورے والا کے ایک نواحی گاؤں ماچھی وال میں چلے گئے۔ اسی گاؤں میں مولانا محمود صاحب نے ۲۰/جون ۲۰۱۲ء کی شام نمازِ عصر کے وقت وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۲۱/جون کی صبح ایک نماز جنازہ ماچھی وال میں ادا کی گئی اور پھر ان کی میت کو فیصل آباد کے نواحی گاؤں ڈگورا لایا گیا اور شام پانچ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس میں سینکڑوں افراد دور دراز کے علاقوں سے شریک ہوئے اور مقامی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اس طرح ایک مداح صحابہ اس دنیا سے رخصت ہوا اور اپنے پیچھے خوش گوار یادوں کا ایک وسیع سلسلہ چھوڑ گیا۔ ان کی طرف سے تعمیر کردہ مساجد اور تصنیف کردہ کتب بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی ان مساعی اور حسنات کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما کر انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے، آمین۔

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

مقامِ صحابہ

تصنیف: مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

ناشر: ادارہ علوم اثریہ، منٹگمری بازار، فیصل آباد

ضخامت: ۳۷۱ صفحات، کاغذ، کمپوزنگ، طباعت بہتر

قیمت: درج نہیں

تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

ہمارے حلقہ قارئین میں مولانا ارشاد الحق اثری اپنے علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے اعتبار سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کو اللہ نے یہ توفیق بخشی کہ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ان کا قلم رواں ہے اور انھوں نے بعض ایسے موضوعات کو ہدفِ تحقیق ٹھہرایا ہے جن کی طرف اس سے قبل کم ہی کسی محقق نے عنانِ توجہ مبذول کی ہوگی۔

ان کی کثیر التعداد تصانیف میں سے ایک کتاب ''مقامِ صحابہ'' ہے جو اس وقت پیش نگاہ ہے۔ اس موضوع پر ان کی تین کتابیں چھپ چکی ہیں: ایک یہی ''مقامِ صحابہ''، دوسری ''عدالت صحابہ'' اور تیسری کا نام ہے ''مشاجرات صحابہ اور سلف کا موقف۔'' یہ تینوں اس موضوع کی لائق مطالعہ کتابیں ہیں۔ اس عظیم القدر موضوع پر اردو میں بہت سے حضرات نے لکھا ہے۔ کسی نے صحابہ کرام کے حالاتِ زندگی تحریر کیے، کسی نے ان کے فضائل و مناقب کی وضاحت کی، کسی نے ان کی جہادی تگ و تاز کی تفصیلات بیان کیں اور کسی نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے عبور اور فتویٰ نویسی میں ان کے کمالات کی صراحت فرمائی۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے اور ہر لکھنے والے نے اپنے اسلوب نگارش میں اس پر اظہارِ خیال کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو دنیا کی افضل ترین مخلوق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان کا تذکرہ فرمایا اور ان کے متعلق ﴿رضي اللہ عنھم ورضوا عنہ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے، یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ جن لوگوں کو بارگاہِ الٰہی سے رضا مندی کا اعزاز حاصل ہو جائے، ان سے زیادہ عالی بخت کوئی نہیں ہوسکتا۔ پورا قرآن ان کے عہد سعادت میں نازل ہوا، اس کے اوّلیں مخاطب وہی تھے۔ قرآن کے بے شمار مقامات پر کتنے ہی صحابہ کرام کا نام لیے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے۔ بعض کے نام بھی قرآنِ مجید میں لیے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ چودہ سو سال سے دن اور رات کے ہر حصے میں لوگ پڑھتے اور اپنی قابلیت کے مطابق اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

صحابہ خیر امت تھے اور پوری امت میں ان کا مقام اس اعتبار سے بلند ترین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اوّل اوّل انھی کو منتخب فرمایا۔ اس حقیقت پر یقین رکھنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا اظہار کرنا ایمان کی علامت بلکہ عین ایمان ہے اور ان پر سب و شتم کرنا یا زبان اور عمل سے ان سے بغض و عناد کا اظہار کرنا قطعی طور پر خلافِ شریعت اور باعث گناہ ہے بلکہ اس کی سرحدیں کفر تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔

کفر و شرک کی دلدل میں پھنسی ہوئی اس دنیا میں اسلام کی جو اشاعت ہوئی اور جس انداز سے کتاب و سنت کے احکام پھیلے، اس کی ابتدا صحابہ کرام سے ہوئی۔ انھوں نے جنگ و جہاد کے ذریعے سے بھی خدمت اسلام سرانجام دی اور وعظ و خطابت کی صورت میں بھی، جہاں تک ممکن ہوسکا، اسلام کا ہر حکم (وہ بہ ظاہر چھوٹا معلوم ہوتا ہو یا بڑا) ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش کی۔ پھر اللہ نے ان کو یہ ہمت دی کہ ان کا دائرۂ تبلیغ صرف عرب ممالک تک محدود نہیں رہا، ایران،

ہندوستان، سراندیپ بلکہ فرانس اور بعض دیگر یورپی ملکوں کی سرحدوں تک پہنچا۔ نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد تو انھوں نے بالخصوص اپنی تمام تر مساعی اس کارِ خیر کے لیے وقف کر دیں۔ خلافت راشدہ سے لے کر بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک (جب کہ کتنے ہی صحابہ موجود تھے) ان کی تگ وتاز سے چھوٹے بڑے بہت سے ملکوں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا اور متعدد غیر عرب ملکوں کے لوگ اسلام کی نہایت صاف ستھری تہذیب سے روشناس ہوئے۔

بہرکیف صحابہ کرام کا مقام انتہائی بلند تھا اور ہے۔ یہ عالم آب وگل پہلی مرتبہ اس گروہ پاک باز کی عدیم المثال قربانیوں اور رفعتوں سے آشنا ہوا۔ اس طائفہ مقدسہ کا ہر رکن لسانِ نبوت کا رمز شناس تھا۔ اس کے ہر فرد نے ارشادات پیغمبر کو حرزِ جاں بنایا اور اسے عام کرنے کا عزم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عزم میں ان کو کامیابی سے نوازا اور پوری دنیا ان سے اثر پذیر ہوئی۔ رضي الله عنهم ورضوا عنه

مولانا ارشاد الحق اثری نے ''مقامِ صحابہ'' میں اس خیر الامت گروہ کے فضل وکمال کی مختلف جہتوں کا عام فہم اور آسان زبان میں تذکرہ کیا ہے۔ کتاب کا کمال یہ ہے کہ اس سے ایک معمولی تعلیم یافتہ آدمی سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تک بہ خوبی استفادہ کرسکتا ہے۔ نہ اس کتاب کے نام میں کسی نوع کے تکلف سے کام لیا گیا ہے اور نہ اس کے مضامین میں مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہی اصل ابلاغ ہے جس کے مفہوم کی تہ تک فوراً قاری پہنچ جاتا ہے اور اس کا ذہن بغیر کسی تکلیف کے اسے اپنی گرفت میں لے آتا ہے۔

آیئے محترم المقام مولانا ارشاد الحق اثری کی تصنیف ''مقامِ صحابہ'' کا مطالعہ کیجیے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام ومرتبے کو سمجھنے اور پہچاننے کی کوشش فرمایے۔

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۲۹۷ء۸۴ علامہ محمد نسیب رفاعی

ر۷۳ق قل جاء الحق، ص: ۴۶۔ ادارہ امر بالمعروف، قصور۔ (تعداد نسخ:۲)

۲۹۷ء۸۴ مولانا محمد حنیف رہبر اعظمی مبارک پوری

ر۹۲م مقامع الحدید علی الکذاب العنید، ص: ۶۵۔ انجمن ارشاد المسلمین، لاہور۔۱۹۷۸ء

۲۹۷ء۸۴ علامہ سیّد محمود احمد رضوی

ر۶۹م مذاکرہ علمی (حصہ سوم)، ص:۱۲۰۔ مکتبہ رضوان، بھاٹی گیٹ، لاہور۔

۲۹۷ء۸۴ مولوی رحیم بخش لاہوری (مجموعہ ۶ کتب)

ر۵۵ل لواء الہدیٰ، ص:۲۴۔ مطبع محمدی، لاہور۔

۲۔ دافع الفساد من بین العباد۔ مولوی رحیم بخش، ص:۱۶۔ مطبع محمدی، لاہور۔۱۳۰۶ھ

۳۔ ازالۃ الشین والرین، مولوی محمد سعید بنارس، ص:۶۷۔ مطبع صدیقی، بنارس۔۱۳۰۳ھ

۴۔ فصل الخطاب (فتویٰ) میاں نذیر حسین صاحب، ص:۶۔ مطبع ہاشمی۔

۵۔ مجموعہ فیصلہ جات مقدمات آمین بالجہر بحق اہل حدیث، ص:۳۶۔ مطبع شوکت المطابع، شحنہ ہند۔۱۸۹۲ء

۶۔ ایک ناقص رسالہ، ص: ۵-۲۸

۲۹۷ء۸۴ شیخ الحدیث ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی

ر۲۸ت تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید، ص: ۴۱۲۔ ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ، الٰہ آباد، وزیر آباد۔۱۹۸۲ء

۲۹۷ء۸۴ شیخ الحدیث ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی

ر۲۸ت تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید، ص:۴۲۴۔ مکتبۃ السنۃ، مکتبۃ الامام البخاری، منظور کالونی، کراچی۔۲۰۰۷ء

۲۹۷ء۸۴ ابو القاسم محبّ اللہ شاہ راشدی

ر۲۸ک کیا عیسیٰ علیہ السلام کے والد تھے؟ ص:۶۷۔ ادارہ تحقیقات سلفیہ، کراچی۔۲۰۰۳ء

۲۹۷ء۸۴ محمد رفیق خان

ر۴۷س السیف المسلول علی عنق البشیر المجہول، ص: ۳۲۸۔ مکتبہ اہل حدیث، پسرور، ضلع سیالکوٹ۔۱۹۵۷ء

۲۔ تنبیہ الغافلین، حافظ محمد یونس دہلوی، ص:۲۴۔ رسالہ صحیفہ اہل حدیث، دہلی۔۱۹۴۲ء

۲۹۷ء۸۴ حافظ محمد زبیر، حافظ طاہر اسلام عسکری

ز۳۱ف فکر غامدی؛ ایک تحقیقی وتجزیاتی جائزہ، ص: ۱۲۷۔ مکتبہ خدام القرآن، لاہور۔۲۰۰۷ء

۲۹۷ء۸۴ ابو الحسن زید فاروقی مجددی دہلوی

ز۷۱ت تبلیغی جماعت کی حقیقت، ص: ۱۶۔ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور۔۱۹۹۲ء

۲۹۷ء۸۴ ابو زاہد محمد سرفراز

س۴۹ا اتمام البرہان فی ردّ توضیح البیان (حصہ اوّل)، ص:۱۶۳۔۱۹۸۱ء

۲۔ اتمام البرہان فی ردّ توضیح البیان (حصہ دوم)،

ص:۲۶۱۔ ابوزید محمد صفدر۔ ادارہ نشر واشاعت نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔۱۹۸۲ء

۲۹۷ء۸۴ علامہ سیّد سلیمان ندوی

س۸۹ل اہل السنۃ والجماعۃ، ص:۱۰۳۔ ادارہ نشر المعارف، کراچی

۲۹۷ء۸۴ مولانا محمد سعید بنارسی (مجموعہ۱۴ کتب)

س۳۷ل اقبال الحی علی الرد علی عبد الحی، ص:۲۰۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۲۔ الشبع والری بالرد علی عبد الحی۔ مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۲۴۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۳۔ طریق النجاح لاہل الصلاح فی جواب طریق الفلاح، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۵۶۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۴۔ توثیق الحق السدید جواباً علی رسالۃ التحقیق المزید، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۱۶۹۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔

۵۔ صدق اللجا الی ذکر الخوف والرجاء، ص:۳۴۔

۲۹۷ء۸۴ مولوی محمد سعید

س۴۷ش الشبع والری بالرد علی عبد الحی، ص:۲۴۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۲۔ الترجمۃ المضیۃ للمقالۃ الوفیۃ، شاہ ولی اللہ۔ مع: ایضاح الطریق لاہل التمیز فی تحقیق البیعۃ، مولانا عبدالعزیز محدث، ص:۲۴۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۳۔ اقبال الحی علی الرد علی عبد الحی، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۲۰۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۴۔ مسئلہ تراویح، عبدالوہاب آروی، ص:۵۲۔

۵۔ سیف الابرار علی رأس الاشرار، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۶۱۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔

۶۔ ابراء الحدیث والقرآن مما فی جامع الشواہد من التمۃ والبہتان، مولوی حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، ص:۹۹۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔

۷۔ الکلام النباہ فی ردّ ہفوات من منع مساجد اللہ، مولوی حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، ص:۱۰۸۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔

۸۔ کشف الارتیاب عن اجوبۃ المرتاب، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۲۱۔

۹۔ ہدایۃ القلوب القاسیۃ فی ردّ گلزار آسیہ، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۳۶۔ مطبع صدیقی، بنارس۔ مع جواب رسالہ ابلاغ المبین، مولوی شاہ محمد۔

۱۰۔ کیفیت مناظرہ مرشد آباد، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۴۰۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔

۱۱۔ طریق النجاح لاہل الصلاح فی جواب طریق الفلاح، مولوی محمد سعید بنارسی، ص:۵۶۔ مطبع صدیقی، بنارس۔

۱۲۔ اظہار الصدق فی ابطال الکذب والفسق، محمد فضل الرحمٰن، ص:۱۰۵۔ مطبع سعید المطابع، بنارس۔

۱۳۔ الجہر بالتامین بالرد علی القول المتین، محمد سعید بنارسی، ص:۱۴۹۔

۱۴۔ اظہار الحق والصواب فی رد ہفوات المرتاب، مولوی عبدالصمد دانا پوری، ص:۳۴۔

دعائے مغفرت

مہر عبدالمنان طور (حولی، کویت) کے سسر اور محمد حسن خان کے والد جناب منصب علی خان گزشتہ دنوں وفات پا گئے۔
احباب مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔
(حمزہ طور، گوجرانوالہ)

آپ کی آمد صبح حیات نور و مصباح و مشکاۃ
آپ آئے تو ختم ہوئی ظلم و ستم کی کالی رات
نکھرا دنیا کا ماحول ہو گئے اُجلے اِحساسات
آپ نے آکر عام کیے معقولات و معروفات
آپ کے فیض سے ہم کو ملے سچے رَبّ کے انعامات
آپ نے اس کو سلیقہ دیا ورنہ تھی آوارہ حیات
آپ نے عفت میں ڈھالے میلانات و رجحانات
آپ کا پیارا پیارا نام آپ کی خوب ترین صفات
آپ کے پیروں کی مٹی جیسے تاروں کی بارات
آپ کے خادم پر رحمت جیسے ساون میں برسات
آپ سے پائے فہم و شعور عقل و حکمت والی بات
چھوٹے بڑے پر اِک سی نظر آپ کی مجلس خاص کی بات
بخشیں ترقی اور تعمیر آپ کے سارے اِرشادات
بارگہِ اَقدس میں آئیں اذنِ شفا لینے جنات
روشن صبح کا دے پیغام پاک مدینے کی ہر رات
آپ کا عالم گیر پیام اور آفاقی تعلیمات
آپ کے نام سے گونجتے ہیں اپنی زمیں کے سب دن رات
آپ کی یاد سکوں خیمہ جس سے ٹلتی ہیں آفات
گنبد خضریٰ چومے آنکھ یا ربّ! آئیں وہ لمحات
آپ کی یاد کی آئی نسیم مہکے سلامی کے باغات
آپ کے نام نامی پر صد آداب و تسلیمات
گھبراہٹ کی دنیا میں آپ کی پیروی صرف نجات
آج بھی دشمن بیٹھے ہیں چاروں سمت لگائے گھات
اُٹھ حسانؓ کی کر تقلید دیں کے دفاع میں لکھ ابیات
الا اللہ کی ضرب لگا توڑ دے سارے لات و منات

(امّ عبدمنیب)